DUE DATE

Cl No. *Acc. No.*

Late Fine Ordinary books **25 Paise** per day Text Book **Re. 1/-** per day. Over Night book **Re. 1/-** per day

جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ الجامعہ
جامعہ ملیہ اسلامیہ - قرول باغ (دہلی)

Delhi

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی ✦ یا بندۂ صحرائی یا مرد کہستانی

رسالہ

افغان

دہلی

ماہنامہ "افغان" دہلی — چندہ سالانہ پانچ روپے (عہ)

جلد ۱۱	بابت ماہ جنوری ۱۹۴۵ء	نمبر ۱

محراب گل افغان کے افکار

(۱۱)

جب سے ہے پرتو مُلا و ہی تیری شب [illegible] ۔۔۔ پھر بھی ہو سکتا ہے روشن وہ چراغ خاموش

مرد بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا گلہ ! ۔۔۔ بندۂ حر کے لئے نشتر تقدیر ہے نوش

نہیں ہنگامۂ پیکار کے لائق وہ جواں ۔۔۔ جو ہوا نالۂ مرغان سحر سے مدہوش

مجھ کو ڈر ہے کہ ہے طفلانہ طبیعت تیری

اور عیار ہیں یورپ کے شکر پارہ فروش

(علامہ اقبالؔ)

ترسیل زر کا پتہ - لودھی اینڈ کمپنی - بازار فتحپوری چاندنی چوک دہلی

(سردار محمد حیات خاں [illegible] نے جید برقی پریس میں چھپوا کر شائع کیا)

محرم الحرام

محرم الحرام اسلامی جنتری کا وہ محترم مہینہ ہے جس میں لڑائی اور خلفشار ممنوع ہیں۔ حکم ربانی کے مطابق ماہ رمضان المبارک۔ ذیقعدہ۔ ذوالحج اور محرم وہ مہینے ہیں۔ جن میں لوگ حج بیت اللہ کے لئے آتے تھے۔ اور حجاج اور زائرین کا بیت الحرام کی جانب تانتا بندھا رہتا تھا۔ حکم ہے کہ ان مقدس مہینوں میں تلوار میان میں رکھ لو اور ارض اللہ پر امن قائم کر دو کہ فریضۂ عبادت کی ادائیگی کے لئے جملہ مسلمین آئیں اور ان کو خصوع و خشوع کے ساتھ بجا لائیں اور اپنے اپنے مستقر وطن کو واپس چلے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہوتا رہا مگر کیا خبر تھی کہ سنہ ۶۱ھ میں اس ماہ کا ہلال　　عشرہ کا دردناک خونی دن بھی اپنے ساتھ لائے گا۔ جو مطلع اسلامی کو شفق سے لال کر دے گا۔ اور اسلام کی تاریخ اور ہماری زندگی کا سانحہ بن جائے گا۔

عہد خلافت راشدہ رسول اللہ کے ۴۰ سال بعد حضرت علی کی خلافت پر ختم ہوا۔ یہ وہ عہد مسعود تھا جس کو ہم اسلام کی اصلی جمہوری سلطنت کا نمونہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر اس کے بعد جو دور آیا۔ اس کو خلافت راشدہ کے منہاج پر نہیں کہا جا سکتا۔ رسول صادق و امین کی یہ پیشینگوئی کہ اے مسلمانوں نبوت کے بعد تم میں خلافت علی منہاج النبوت ہوگی اور جب تک خدا چاہے گا وہ رہے گی۔ پھر اللہ تعالےٰ اس کو اٹھا لے گا اور اس کے بعد ملک ارض (جابرانہ سلطنت) کا رواج ہوگا (مسند امام احمد بن حنبل) پوری ہوئی۔ امیر معاویہ خود خلیفہ رشید تھے اور نہ ان کی سلطنت کسی طرح خلافت راشدہ تھی۔ لیکن چونکہ رسول اللہ کا فیض صحبت اٹھائے ہوئے تھے۔ صحابی تھے اور کاتب وحی بھی رہ چکے تھے۔ اس لئے متعدد جدتوں اور غلطیوں کے باوجود ان کا دل خشیت ربانی اور اسلام کی ترقی و عروج کی حقیقی تڑپ سے خالی نہ تھا۔ انھوں نے اپنے زمانے کے پیچیدہ و نازک حالات میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت کو مضبوط و محفوظ بنانے میں بڑی سیاست۔ دوراندیشی۔ موقع شناسی و تدبر کا ثبوت دیا ہے۔ مگر اپنے بیٹے یزید کی امارت کی بیعت جو امیر نے اپنی زندگی میں اپنے اثر اور جبر سے کرائی تھی اس نے اسلام کے جمہوری نظام کو ہلا دیا اور بلکہ منہدم کر دیا۔ نظام جمہوریت اسلامی کے لئے یہ ایسی ضرب شدید ثابت ہوئی کہ آج تک اسلام کی چشم تمنا پھر اسی نظارۂ روح پرور کی باز دید کے لئے مثل نرگس کھلی ہے۔ مگر وہ منظر لوٹ کر نہیں آتا۔ یزید کا عہد خاصکر وہ اول عہد تھا جس میں استبداد کی سیئات حد سے گزر چکی تھی جگر گوشۂ رسول اللہ نے اپنی قربانی سے اس استبداد کو ختم کرنا چاہا لیکن ختم نہ ہوا۔ سلطنت و امارت کا استحقاق نسل اب ایسے شخص کے لئے رہ گیا جو بجبر اپنے لئے تخت حاصل کر سکے خواہ وہ افعال اور اعمال کے لحاظ سے کیسا ہی نا اہل کیوں نہ ہو اور حکومت کے لئے ناموزوں۔ یزید میں خصوصیت سے یہ بات پائی جاتی تھی کہ وہ خلاف طبع بات پر بجا تشدد اور ناروا جبر سے کام لیتا تھا۔ اس کی زندگی بھی اسلامی طور اور طریق پر نہیں تھی چونکہ وہ اسلامی جمہوری انتخاب کے خلاف ورزی طریق سے خلیفہ ہوا تھا۔ لوگ اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ اور منصب خلافت روز بروز اس کے ہاتھوں میں خراب ہوتا چلا گیا۔ بہت سے اشخاص نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا۔ ان میں سب سے بڑی ہستی جگر گوشۂ رسول اللہ حضرت امام حسین تھے۔ معاملات کی زبوں حالی پر ان کو دکھ ہوا۔ برکت و فیضان نبوی اور تعلیم و تربیت پدری کے باعث آپ صداقت۔ فقر۔ ایثار

اور قربانی کا مجسم نمونہ ہے۔ انھوں نے اسلامی نظام کی خرابی کو شروع سے روکنے کا عزم کیا اور مسلم اپنے چچازاد بھائی کو کوفہ بیعت کے لئے بھیجا۔ جن کو شروع میں کامیابی ہوئی۔ مگر وہ ابن زیاد گورنر کوفہ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ امام حسین نے اپنا سفر کوفہ کو شروع کیا اور باوجود ابن زیاد کی تنبیہ کے وہ بڑھتے چلے گئے۔ خود گورنر کی فوج اس کی مخالفت کے باوجود ان کے ہمرکاب ہو لی اور یہ جماعت کربلا پہنچ گئی۔ وہاں پر ابن زیاد کی طرف سے اور کمک پہنچ گئی۔ خادم اسلام و صادق حسین اور ان کے (۷۲) ساتھیوں کے اور جبر و استبداد کی سفاک فوج کے درمیان کارزار کربلا ہوا۔ یزید اس کے گورنر ابن زیاد اور کوفہ والوں کے حیوانی مظالم کی داستان تاریخ کے اوراق پر ایک خونی تحریر ہے جس کے محض تصور سے نہ صرف مسلمان کی بلکہ غیر مسلم کی روح لرز جاتی ہے۔ گو یزید کو اس کے ظلم و سفاکی کے باعث فتحمندی حاصل ہو گئی اور حسین قتل کر دیئے گئے۔ مگر امیر معاویہ کے خاندان کی بنیادیں اس زلزلے سے ہل گئیں اور آخر قصر امارت ہی منہدم ہو گیا۔ شہادت امام حسین تاریخ اسلام میں وہ عظیم الشان واقعہ ہے جس نے خلافت راشدہ کے بعد جمعیتہ اسلام کی زندگی میں ایک مکمل انقلاب پیدا کر دیا جس سے بھلے اور برے دونوں طرح کے تاثرات رونما ہوئے۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

سیدنا شہید کربلا کی زندگی اور کربلا کے ہولناک واقعہ میں ہم ایک صادق۔ نیک و مطہر روح کو جس کا ایمان رب العالمین کی یکتائی و عظمت میں کامل تھا بڑے عزم و استقلال کے ساتھ بے دریغ دنیاوی طاقت و ذمیات کے پیکر یزید کا مقابلہ کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ صداقت کی خاطر قربانی کی مثالیں حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کی زندگیوں میں مذہبی تاریخ پیش کرتی ہے مگر امام حسین کی قربانی حق و صداقت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی غیر مشروط قربانی تھی جب وہ لڑتے لڑتے زخموں سے خون خون ہو گئے تھے۔ انھوں نے کعبہ رخ ہو کر خدا سے دعا کی اور شکر گذار ہوتے۔ اس استقامت و طاقت کی جس سے انھوں نے سلطان و طاغوتیت پسند مخالفت کا مقابلہ کیا جس کے ہاتھوں اسلام کا پاک اور صاف نام پر دھبہ آ رہا تھا۔ اور انھوں نے اسی جہاد عظیم میں اپنی جان دیدی۔

ان کی قربانی اور شہادت ہماری زندگیوں کے لئے ایک سبق ہے مگر ہم کیا دیکھتے ہیں کہ بعد کے حالات امت اس سبق کے منافی ہیں۔ اگرچہ معاملہ خلافت ہی شروع سے وجہ اختلاف امت ہو گیا تھا۔ مگر واقعہ کربلا سے امت میں وہ اختلاف و مناقشہ پڑا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ قیامت تک دور نہ ہو۔ سنی و شیعہ فرقوں کا ظہور اور باہمی آویزش آج تیرہ صدیوں سے چلی آ رہی ہے۔ اور کون نہیں جانتا کہ اس اختلاف کے باعث امت کس قدر تشتت اور اس کی وجہ سے قعر مذلت کو پہنچ چکی ہے۔ مدح صحابہ اور تبرہ کے جھگڑے۔ دلدل کے جلوس اور اکھاڑوں کی جنگ ہر سال محرم الحرام کے مطہر نام و برکت کی تحقیر اور اپنے میں ذہنی اور سماجی تخریب رکھنے میں ہیں۔ جس نے ہمارے قومی شیرازہ کی بنیادوں کو ہلا دیا ہے۔ واقعہ کربلا حق و انصاف کی پرستار مٹھی بھر جماعت کو استبداد و طاغوتیت کی صفوں کے مقابل ایمانی صداقت و قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیش کرتا ہے۔ مگر ایک خدا۔ ایک رسول اور ایک قرآن کے ماننے والے مسلمان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں یہ کس قدر کور بختی ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ یہ واقعہ پورے تیرہ سو سال گزرے ہوا تھا۔ کون سی قدرت رکھتا تھا کہ اس واقعہ کو اس وقت ہونے سے روک دیتا یا کوئی شیعہ اس کو اس طرح ہونے سے بدل سکتا تھا ہمارا یہ ایمان ہے کہ ہر کام خدا کے حکم سے ہوتا ہے لہذا کون انکار کر سکتا ہے کہ واقعہ کربلا بھی خدا کے حکم کے مطابق نہ ہوا اور اس وقت جو خود امام حسین اور یزید اور ان کے ہمراہیوں سے سرزد ہوا وہ مشیت ایزدی تھی ہم کو اس واقعہ سے اچھے نتائج مرتب و اخذ کرنے چاہئیں۔ نہ کہ ہم اس کے برے پہلوؤں کو وجہ مخاصمت بنا کر سر بطول کریں۔ امام حسین کی زندگی صلاح نیکی۔ حق و انصاف۔ استقامت و استقلال اور غیر اللہ سے بے خوفی کی مطہر مثال ہے۔ اس کی پیروی و تقلید سے ہم

اپنی زندگی کی بہتری و اصلاح کی کوشش کریں نہ کہ باہمی تنفر و انفصال سے اپنی قومی طاقت کو کمزور کر دیں۔ ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں اور باہمی اختلاط بڑھائیں۔ یزید اور شمر کا کس قدر برا حشر ہوا کہ جملہ مسلمان ظلم و ستم کے خلاف نفرت دشمن کا اظہار ان کے ناموں سے نسبت دے کر کرتے ہیں اور بے گناہ اور پاک حسین پر درود بھیجا جاتا ہے۔ کیونکہ اول الذکر نے ذاتی غرض و اقتدار کے لئے جگر گوشۂ رسول کا خون بہایا اور موخر الذکر نے اس سرزمین پر خدا کی حکومت اور اسلامی جمہوریت کے اعلان و قیام کے خاطر اپنی جان دیدی۔ لہذا برائی اور خود غرضی سے پرہیز اور صداقت کی حمایت ہماری زندگی کا اسلوب ہونا چاہیئے

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

امام حسین نے اپنے خطبات میں فرمایا تھا کہ ظالم کے ساتھ رہنا زندگی کا بڑا گناہ ہے۔ یہی عقیدہ ان کی زندگی کی روح تھا جو ان کے مستحسن عمل کا محرک ہوا۔ ان کو کس قدر دنیاوی دولت و عزت حاصل ہو سکتی تھی۔ مگر انھوں نے اپنے اصول اور ایمان کی خاطر طاغوتیت کے فریب کو ٹھکرا دیا اور کمال جبارت و شجاعت سے وہ طریقہ اختیار کیا جس سے ان کی روح بے لوث و پاک رہی اور ان کی قربانی و ایثار کی مثال تاریخ دنیا پر زریں الفاظ میں ثبت ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے ہو پیدا پرواز میں کوتاہی

افغان سنی بھی ہیں اور شیعہ بھی اور ان میں ان طریقوں کے مبادی اختلافات کے باعث انفرادی اور سماجی اختلافات موجود ہیں۔ مگر یہ یاد رہے کہ ہم سب اول مسلمان ہیں۔ ایک خدا اور اس کی الہامی کتاب کے ماننے والے اور ایک رسول کے پیرو ہیں۔ لہذا ہم کو واقعۂ کربلا کو باہمی اختلافات کی وجہ نہ بنانا چاہیئے۔ امام حسین بوجہ سعید الفطرت ہونے کے ہم سب کے لئے موجب احترام ہیں۔ ان کی زندگی ہمارے لئے شمع ہدایت ہے۔ جس سے سبق لے کر ہم کو اپنی انفرادی اور جماعتی زندگی درست کرنی چاہیئے۔ ہم کو لازم ہے کہ ہم مومن بنیں۔ صداقت و حق کی خاطر ہر قربانی کے لئے تیار رہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہماری زندگی کا مشن ہو اور دوسروں کے لئے ہماری زندگی اخوت و مودت کی مثال ہو۔ اس طرح ہم اس میراث عالم کو حاصل کریں۔ جس کا ہم سے وعدہ ہے

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

تقدیر امم کیا ہے؟

بقیہ صفحہ (۱۳)

شہنشاہیت کی لعنت سے محفوظ رہیں گی؟ کون کہہ سکتا ہے۔ وقت ہی اس کا جواب دے گا۔

میری اس تقریر کا عنوان صریحاً اقبال کے ایک شعر سے لیا گیا ہے۔ جس سے آپ واقف ہوں گے۔

میں تجھکو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی قوم کے اقبال کا آغاز جد و جہد اور سعی و طلب سے ہوتا ہے۔ اور اس کا انجام عیش و عشرت پر۔ البتہ اتنا یاد رکھئے۔ کہ اقبال کی "شمشیر و سناں" خونریزی کی نہیں بلکہ جفاکشی، سخت کوشی اور خدمت خلق کی دعوت دیتی ہے۔ اسی لئے ان کے استعمال پر ایک بہت کڑی شرط عائد کی گئی ہے۔ اور وہ کیا ہے۔

ہر کہ خنجر بہر غیر اللہ کشید ⁂ تیغ او در سینۂ او آرمید

یعنی اگر دولت اور ملک گیری کی ہوس میں تلوار اٹھائی جائے تو اس سے کہیں بہتر ہوگا۔ کہ قوم طاؤس و رباب کے بیکار شغل میں ہی الجھی رہے۔

(ماخوذ از ہمایوں جس نے باجازت آل انڈیا ریڈیو شائع کیا)

صوبہ سرحد کی موجودہ حکومت

صوبہ سرحد مسلم آبادی کی اکثریت کا صوبہ ہے اور اسکی بیشتر آبادی افغانوں کی ہے۔ اس نسبت سے ہم کو ان کے حکومتی اور داخلی معاملات سے تعلق ہے جو ہمیں بار بار ان کے متعلق اظہار خیال پر مائل بلکہ مجبور کرتا ہے۔

جب دسمبر ۱۹۴۳ء میں کانگرسی وزارتیں کانگرس ہائی کمانڈ کے حکم سے ہندوستان میں سات صوبوں سے مستعفی ہوئیں۔ تب صوبہ سرحد کی کانگرسی وزارت نے بھی استعفےٰ دے دیا تھا۔ حالات پر غور کرنے سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ موجودہ جنگ عظیم کے متعلق ایک بہانہ کھڑا کر کے کانگرس نے خود انتخابی وزارتوں کو ختم کر دیا تھا۔ وہ ایک اہم سیاسی غلطی تھی اور ملک کو اس سے سخت نقصان پہونچا ہے۔ اس عمل کا یہ نتیجہ ہوا تھا کہ سوائے بنگال۔ پنجاب اور سندھ کے تمام برٹش ہندوستان کے صوبوں میں دفعہ ۹۳ (۱۹۳۵ء) کے دستور کے مطابق گورنرز اور ان کے مشیروں کی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ اس طرح مشہور بیوروکریسی کا صوبائی انتظام میں دوبارہ عمل دخل ہو گیا جو آج تک چھ صوبوں میں قائم ہے۔ یہی نظام حکومت مئی ۱۹۴۳ء تک صوبہ سرحد میں قائم رہا۔ بالآخر اس صوبہ کی خوش بختی سے وہاں کے مختلف الخیال ممبران اسمبلی نے باہمی سمجھوتہ کر کے ماہ مئی میں ۲۰ ممبران کے نام سے سردار اورنگ زیب خاں کی سرکردگی میں گورنر صوبہ سرحد کو ایک خط لکھا کہ ان کی جماعت مسلم لیگ کے نظام کے تحت صوبہ سرحد میں نمائندہ حکومت قائم کرنا چاہتی ہے۔ صوبہ سرحد کے ممبران اسمبلی کا شمار ۵۰ ہے۔ انڈیپنڈنٹ ممبران کو نکال کر کانگرس کے ممبران کی تعداد اقلیت کی رہ گئی۔ گورنر نے ان تمام پہلوؤں پر غور کر کے سردار اورنگ زیب خاں کو وزارت مرتب کرنے کی دعوت دی۔ اس طرح موجودہ گورنمنٹ ماہ مئی ۱۹۴۳ء میں قائم ہوئی جو مسلم لیگی وزارت کہلائی۔ اور اس وقت تک قائم ہے۔

حال ہی میں اطلاع ملی ہے کہ کانگرس کی اسمبلی کی جماعت میں اختلافات رونما ہو رہے ہیں۔ اور ۸ کانگرسی ممبران اپنی ایک نئی پارٹی بنا رہے ہیں۔ اس سے کانگرس کی وہ اکثریت جس کی وہ حلقۂ اسمبلی میں دعویدار ہے ختم ہو جائے گی۔ موجودہ حکومت کو چاہئے کہ وہ اس کا پورا استفادہ اٹھائیں۔ صوبہ سرحد کی سیاست میں رائے بہادر مہرچند کھنہ سی۔ آئی۔ ای ایک خاص ہستی ہیں۔ باوجود اپنے خطابات کے وہ کانگرس اسمبلی پارٹی کے سکرٹری ہیں۔ گورنمنٹ سے مخالفت مگر خطابات سے الفت ان کی خاص خصوصیت ہے۔ ان کا کانگرس کے نظام میں ہونا ہی ایک عجیب بات ہے۔ البتہ اب یہ ظاہر ہے کہ ایسے اشخاص کا کانگرس کی صفوں میں ہونا بتاتا ہے کہ کانگرس کا انتہا پسندی و آزاد پسندی کا دعویٰ محض ایک سیاسی دھوکا ہے۔

گذشتہ ماہ کی ۱۰ تاریخ کو سردار اورنگ زیب خاں تمام مسلم وزراء کے ہمراہ دہلی میں قائد اعظم سے ملنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ ان حضرات کی دو تین روز تک ۱۰ اورنگ زیب روڈ پر قائد اعظم سے ملاقاتیں رہیں معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے اپنے صوبے کے اہم معاملات سے قائد اعظم کو مطلع کیا اور ان سے مشورہ حاصل کیا۔ سردار اورنگ زیب خاں نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ ان کی وزارت چٹان کی طرح مضبوط اور قائم ہے اور ان میں اور ان کے رفیق کاروں میں کامل اعتماد و اتحاد ہے اور وہ اپنی جگہ بوجہ

جماعتی اکثریت کے قائم و موجود ہیں۔ سردار عبدالرب خان نشتر نے کانگریس کے ممبران کے محضر نامے جو ۲۱ کانگریسی ممبران کے دستخطوں سے گورنر صوبہ سرحد کو بھیجا گیا تھا اور جس کے ذریعہ موجودہ وزارت پر عدم اعتماد کی تجویز ارسال کی تھی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ لیگی وزارت بوجہ اپنی اکثریت کے باوجود ہر قسم کی مخالفت کے قائم رہے گی۔ خان امین خان جو پہلے کانگریسی تھے۔ اور اب کابینہ میں وزیر تعلیم ہیں۔ نے کہا۔ اب وہ وقت ختم ہو چکا ہے۔ جبکہ مسلمانوں کو کانگریس یا کوئی دوسری جماعت اپنے مفاد و مقصد کے لئے آلہ کار بنا لیا کرتی تھی۔ الحمد اللہ اب مسلمانوں نے اپنی اہمیت اور اپنے مقصود کو سمجھ لیا ہے اور وہ اپنے مفاد کو کبھی کسی کے دھوکے میں آکر ضائع نہ کریں گے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اب خدائی خدمت گار جو صوبہ سرحد میں کانگریس کی جان اور جمعیت تھی۔ کثیر تعداد میں مسلم لیگ کے ممبر بن رہے ہیں۔ راجا عبدالرحمٰن خان نے کہا کہ مسلم لیگ کی تنظیم نے سرحد کے اشخاص کا زاویہ نظر بدل دیا ہے۔ اور ان میں موجودہ بیداری اسکی رہین تدبر و عمل ہے۔

ان بیانات کے سلسلے میں یہ معلوم ہوا کہ موجودہ لیگی وزارت نے مندرجہ ذیل اقتصادی کام اور اصلاحات کی ہیں

۱۔ صوبہ سرحد میں اب تک اگست ۱۹۴۲ء کے سیاسی قیدیوں میں سے ۹۵ فیصدی رہا ہو چکے ہیں جن سے ۵ کانگریسی ایم۔ ایل۔ اے بھی ہیں جن کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا گیا ہے۔

۲۔ جیل خانوں میں بالغوں اور عمر رسیدہ لوگوں کی تعلیم کا نئے طرز پر انتظام کیا گیا ہے۔ اور بڑا ایسے بڑے قیدیوں کو جو مدتوں سے سڑ رہے تھے۔ رہا کر دیا گیا ہے جیل خانوں کے انتظامات میں اصلاحات کی گئی ہیں۔

۳۔ صوبہ میں تین مقامات پر ہائی اسکول اور ایبٹ آباد میں ایک انٹرمیڈیٹ کالج کھولے گئے ہیں۔ ثانوی تعلیم کے لئے بھی کثرت سے مڈل اسکول بنائے گئے ہیں۔ اسی صوبہ میں ۱۶ اور ہائی اسکول قائم کرنے کی تجویز ہے۔

۴۔ چھوٹے درجے کے ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا ہے۔ اور ان کے گریڈ بڑھا دیئے گئے ہیں۔ گرانی کا الاؤنس اس کے علاوہ دیا گیا ہے۔

۵۔ موجودہ وزارت نے چارسدہ سب ڈویژن اور دیگر علاقوں کو مفروروں اور قانون شکنوں کے خطرہ سے محفوظ بنا دیا ہے۔ آئے دن کے شہری آبادی کے افراد کو اٹھا لے جانے کا خطرہ اب بہت کم ہو گیا ہے۔ اور اب حالت یہ ہے کہ ماورائے سرحد کے مخالف قبائل بھی صوبہ کی آبادی کے لئے موجب تکلیف نہیں ہیں۔

٦۔ موجودہ وزارت نے گورنمنٹ آف انڈیا کو صوبہ سرحد کے مالیہ کے حصہ امداد (جو مرکزی گورنمنٹ ایوارڈ کے تحت صوبہ سرحد کو دیتی ہے) میں اضافہ کے معاملہ کو باقاعدہ طریقہ سے اٹھایا ہے اور امید کی جاتی ہے کہ اس میں انہیں کامیابی ہوگی۔

اصلاحات کی روئداد ظاہرا خوش کن ہے مگر یہ امر بدیہی ہے کہ چند اہم امور کی طرف توجہ نہیں کی گئی ہے مثلاً تمام صوبہ سرحد میں اب تک ٹیکنیکل تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے

۲۔ فراہمی اشیاء خورد و نوش کا عمدہ اور پورا انتظام نہیں ہے۔ جس سے شہری آبادی کو کافی تکلیف ہے۔ خود پشاور میں ماہ اگست دسمبر میں عین رمضان کے مہینے میں کئی ہفتے بڑی تکلیف کے گزرے جبکہ آٹے کی کمی سے تنور، مطبخ اور ہوٹل بند رہے۔

۳۔ زراعت کی ترقی کے لئے کوئی مفید تجاویز و ذرائع مرتب نہیں کئے گئے ہیں۔ صوبہ کی پیداوار کے لئے اچھی منڈیاں تلاش نہیں کی گئی ہیں۔ اور اس کے باعث پھل اور گڑ جو اس صوبہ کی خاص پیداوار ہیں۔ اب تک بہت ارزاں ہیں اور کاشتکاروں اور زمینداروں کو موجودہ گرانی میں اپنی پیداوار کی مناسب قیمت حاصل نہیں ہو رہی ہے۔

۴۔ صوبہ کی صنعتوں کو فروغ دینے کی کوئی تدابیر اختیار نہیں کی گئی ہیں۔

۵۔ اب تک صوبہ کی آبادی کو جماعتی طور پر تجارت کی

جانب توجہ کرنے کا کوئی اقدام نہیں کیا گیا گورنمنٹ کو لمیٹڈ کمپنیاں قائم کرکے پبلک کو حصص خریدنے پر متوجہ کرنا چاہئے اور اس طریق سے پیدا شدہ سرمایہ کو اچھی صنعت وتجارت میں لگانا چاہئے۔ سرمایہ آبادی کے تناسب سے بنانے کی بھی تجویز ہونی چاہئے ورنہ غیر مسلم سرمایہ دار ہر شعبہ پر حاوی رہے گا۔

۶۔ صوبہ میں بیکاری کو کم کرنے کی ہر قسم کی تدابیر لازم ہیں جو نہیں کی گئیں۔ خود گورنمنٹ کو قرضہ جات دے کر صنعت وحرفت کو جاری کرانا چاہیئے جواب تک نہیں کیا گیا۔

۷۔ چمڑے کی تجارت کو سائنٹفک طور پر چلانے کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ سرحد میں دو تین چمڑہ رنگنے کے کارخانے کام کر سکتے ہیں مگر اس وقت ایک بھی نہیں ہے۔

۸۔ حکومت نے اسلامیات کی تعلیم کا انتظام باوجود مسلم آبادی ۹۵ فی صدی ہونے کے اب تک نہیں کیا ہے۔

۹۔ تمام صوبہ میں اب تک تعلیم نسواں کے لئے سکولوں اور کالجوں کا

مناسب انتظام نہیں ہے جس کی جانب حال ہی میں صوبہ سرحد کی مجلس نسواں نے حکومت کی توجہ منعطف کرائی ہے۔

مذکورہ بالا سفارشات مستحق غور ہیں۔ صوبہ کی فلاح وبہبود کا خیال اور اس سلسلہ میں خدمت وہی حکومت کر سکتی ہے جس کو پارٹی کے جذبات سے بالاتر ہوکر کسی وقت انسان کا خیال اور ہمدردی ہو۔ کانگریس کی وزارت نے کچھ نہیں کیا۔ مسلم لیگ کی وزارت سرکاری ملازمتوں کی تعلیم کے سکول قائم کرنے پر معترض ہے مگر دور رس اصلاحات کی طرف اب تک توجہ نہیں دی۔ ضرورت ہے کہ تمام صوبہ کی حالت کی درستگی کے لئے مخصوص کام کرنے والوں کی پلیننگ کمیٹی بنائی جائے جو سب پارٹیوں کے ممبران پر مشتمل ہو اور تمام امور کا جائزہ لے کر ایک دستور العمل مرتب کرے۔ اور اس کے مطابق حکومت خواہ کانگریسی ہو خواہ لیگی ہو قدم اٹھائے اور اس کی سفارشات کو تکمیل کو پہنچائے تب کہیں اس پسماندہ صوبہ کی آبادی کا بھلا ہو سکتا ہے۔ اور سب کے ساتھ وہاں کے افغانوں کی حالت بہتر و درست ہو سکتی ہے۔

"افغان" کے متعلق انتظامی تبدیلیاں (بقیہ صفحہ ۱۵)

بخشیں گے۔ اور ہمارے سلسلہ کو وسیع و مستحکم بنائیں گے۔ جن صاحب کے سفیر صاحب اہل ملاقی ہوں وہ خود خریدار بنیں۔ کیا اچھا ہو کہ وہ اس کو اپنا فرض سمجھیں کہ ان کو اپنے شہر و قریہ کے دوسرے افغانوں سے متعارف کرائیں اور ان کو زمرہ خریداران میں شریک ہونے کی ترغیب دیکر خریدار بنائیں۔ مقامی لائبریریوں میں۔ افغان ... سوسائٹیز کے دفتروں میں مدرسوں میں "افغان" کو متعارف کرائیں۔ اور ان اداروں کو اس کا خریدار بنوائیں۔ اس طرح اور ہر طریقے اس کا حلقہ خریداران وسیع کریں۔ اس سے خود اور دوسرے فائدہ اٹھائیں اور "افغان" کو درجہ نکلے سنے اور مجھے استفادہ بخشیں۔ یہ ایک مستحسن قومی کام ہے۔

افغان گزٹ (بقیہ صفحہ ۲۳)

۔ محمد شہید خان سنئیر مارکٹنگ انسپکٹر پنجاب ڈپٹی ٹیکنیکل مارکٹنگ انسر دہلی مقرر ہوئے ہیں۔

۔ عشرت حسین خان مسلم یونیورسٹی یونین کے پریذیڈنٹ منتخب ہوئے ہیں۔

۔ خان طارق اسمعیل خان بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی (علیگ) پی۔ سی۔ ایس جہلم سے تبدیل ہوکر فاضلکا۔ ضلع فیروزپور تعینات ہوئے ہیں۔

۔ خان عبدالمجید خان۔ ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ڈپٹی ڈائرکٹر سپلائی ڈیپارٹمنٹ کراچی سے دہلی تبدیل ہوکر آئے ہیں۔

۔ لفٹننٹ بشیر احمد خان صاحب ماہر کوٹلوی بعہدہ کپتانی فائز ہوئے ہیں۔ اب آپ ساتویں ڈویژن کے ساتھ دوبارہ برما فرنٹ پر گئے ہیں۔

سانحۂ ارتحال

مورخہ ۲۸ دسمبر کو جاوید احمد مرحوم خلف آغا غیر احمد خان صاحب سابق مدیر اتحاد افغان بقضائے الٰہی انتقال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مرحوم کی عمر صرف ۲۴ سال تھی۔ اور آغا صاحب کا اکلوتا فرزند۔ خداوند کریم مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور آغا صاحب اور ان کے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

اطلاع

(۱) دفتر "افغان" اب اقبال منزل فیاض گنج دہلی سے منتقل ہوکر دفتر "افغان" نیا محل

[illegible] خط و کتابت متعلقہ افغان [illegible]

انتظامی معاملات کیلئے دفتر افغان پختون خواہ بارہ ٹوٹی صدر بازار کو لکھیں۔

اِقتصادی جدّوجہد

ماہ دسمبر کے آخیر ہفتہ میں مقام دہلی میں معاشیات کانفرنس کا ۲۷واں اجلاس زیر صدارت ڈاکٹر کریم چندر خاں لودھی پی۔ ایچ ڈی سی۔ آئی۔ ای پروفیسر اقتصادیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ منعقد ہوا۔ کانفرنس کا افتتاح سر آرد شیر دلال ممبر گورنمنٹ انڈیا نے کیا۔ صاحب موصوف نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ دنیا میں شروع سے اب تک انسانوں اور اقوام میں جس قدر خلفشار رہا ہے۔ اگر وجوہات کی تہ کو دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ افراد اور اقوام میں اقتصادی غیر مساواتی اس کی ذمہ دار ہے ہندوستان میں ہندو، مسلمان اور دیگر اقوام میں موجودہ اختلاف کی وجہ بھی وہ یہی خیال کرتے ہیں۔ اور انھوں نے فرمایا کہ اگر مسلمانوں اور دیگر پست حالت اقوام کی اقتصادی حالت درست ہوجائے تو ہندوستان کی معاشرتی اور سیاسی ترقی بڑی تیزی کے ساتھ بڑھے گی۔ انھوں نے بتایا کہ اس قسم کی ترقی جس میں تمام ملکی آبادی کی فلاح محیط ہو بدون بڑی عالمگیر تجویز و تدبیر کے حاصل نہیں ہوسکتی اور اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی۔ جبتک اس کو ملکی گورنمنٹ کی سرپرستی حاصل نہ ہو۔ اس ضمن میں انھوں نے روسی تجربہ کا ذکر کیا اور بتایا کہ جب ۱۹۳۰ء اور اس کے بعد دوسرے ممالک میں پیداوار انفرادی اور ملکی آمدنی کم ہوتی جارہی ہے۔ اور بیکاری بڑھ رہی تھی۔ عین اس زمانے میں ملک روس میں مجوزہ اقتصادی نظام کی بدولت پیداوار۔ آمدنیاں بڑھ رہی تہیں اور آبادی میں بیکاری کی اوسط کم ہورہی تھی اور یہ ترقی حیرت انگیز تھی۔ جس کی خاص وجہ یہ کہ ملک روس کی اقتصادیات کو ایک مرتب شدہ نظام کے تحت گورنمنٹ ملکی کی نگرانی میں چلایا جارہا تھا۔ برخلاف اس کے ان سالوں میں دوسرے ممالک میں اس قسم کی کوئی تجویز اور نظام پر حکومتی یا جماعتیں طور پر کسی طرح عمل نہیں ہورہا تھا۔ انھوں نے حکومت کے زیر سایہ ہے۔ اس طرح کی ملکی ترقیات کی مثالیں جرمنی اور اٹلی کی پیش کیں اور بتایا۔ کہ پریذیڈنٹ روزولیٹ کا نیا اقتصادی نظام ملک امریکہ ریاستہائے متحدہ کے لئے جو ۱۹۳۶ء میں نافذ کیا گیا تھا وہ بھی اسی قسم کا عمل تھا۔ جنگ عظیم کے شروع ہونے سے اب تک کے واقعات نے تو یہ بالکل ظاہر کردیا ہے کہ اس قسم کی عالمگیر اقتصادی نظام کی بے حد ضرورت ہے جس میں ہر ملک اپنے اپنے مخصوص حالات کے مطابق اپنا اپنا نظام بنائے۔ اس طرح کرنے سے دنیا کی فارغ البالی اور مسرتوں میں اضافہ ہوگا اپنی تقریر میں انھوں نے یہ وضاحت سے بتلایا کہ ہندوستان کے لوگوں کی خوراک غذائی اجزا میں اور ان کا معیار زندگی دوسرے ممالک کے لوگوں سے بہت کم اور پست ہیں جن کی بہتری ضروری ہے۔

صدر کانفرنس نے بڑی وضاحت کے ساتھ اپنے خطبہ میں یہ بتلایا کہ معیار زندگی بلند کرنا اس وقت تک بے معنی ہے۔ جبتک کہ ملک میں ضروریات زندگی خود پیدا کرنے کی معتدبہ قابلیت اور طاقت نہ پیدا ہوجائے وہ ممالک جو ایسی قابلیت پیدا کئے بدون معیار زندگی بلند کرلیتے ہیں۔ وہ اپنی فروعی ضروریات کے لئے دوسرے ممالک کو اپنی دولت ان کی پیدا کردہ اشیا کو خرید کر بھیجتے رہتے ہیں جس سے ان کو خود نقصان ہوتا ہے اور دوسروں کو فائدہ ہوتا ہے۔ ایسے نقصان اٹھانیوالے ملک کی مثال ہندوستان ہے۔ لہذا ہم ہندوستانی کو ایک مجوزہ نظام کے ماتحت اپنے تمام قدرتی ذرائع کا جائزہ لے کر ان کو ایسے ایسے مفید کاموں میں اور صنعتوں میں استعمال کرنا چاہیئے۔ کہ ہماری ہر قسم کی پیداوار مفید و کثیر ہو جس سے ہماری ہر قسم کی ضروریات پوری ہوں اور ہم دوسرے ممالک سے تجارتی پیمانہ پر ان کو بیچکر فائدہ اٹھاسکیں۔

دونوں قابل اصحاب کے خیالات اپنی اپنی جگہ اہم ہیں یہ حقیقت ہے کہ ہندوستانی اپنی ضروریات کے لئے دوسری اقوام کی صنعتوں کا دست نگر ہے۔ سابقہ اور حال کی دونوں جنگوں نے یہ ثابت کردیا ہے۔ کہ ہم معمولی خورد و نوش کی اشیا کی پیداوار کے علاوہ دوسری اشیا کیلئے محض دوسروں کے محتاج ہیں۔ آج ہندوستان میں کاغذ کو تنقی کرنے کے

یہاں تک کہ معمولی اشیا دستیاب نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہمارے ملک میں پیدا نہیں ہوتے۔ خود ہم کو غذائی اشیا کے حصول میں دقت محسوس ہورہی ہے۔ ہم نے اپنا زراعتی پیداوار کو اپنی ضرورت کے مطابق کم و بیش کرنا اب تک نہیں سیکھا۔ صنعتوں میں تو دنیا کے دیگر ممالک کے مقابلہ میں ہمارا کہیں شمار ہی نہیں۔ یہی مجبوریاں ہیں جو آج کل ہندوستان کے خیالات کو برانگیختہ کر رہی ہیں۔ اور ہر طرف اقتصادیات اور بڑی صنعتوں کے متعلق دلچسپی اور ذوق و شوق کے مظاہرات نظر آتے ہیں۔ ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ کہ ہندوستانیوں کے وفود جو سرمایہ داروں اور بڑے پیمانہ پر کارخانجات رکھنے والے اشخاص اور دیگر پیش بین اشخاص پر مشتمل ہوں۔ بیرون ہند امریکہ یا انگلستان جائیں اور وہاں جاکر مطالعہ کریں کہ ان ممالک نے کس طرح اس پر آشوب زمانے میں اپنے اقتصادی معاملات کو حل کیا ہے اور اپنی آبادی کو حتی الامکان ضروریات کی مجبوریوں سے بچا لیا ہے۔ اب تک اسی قسم کے دو تین وفد باہر کے ملکوں میں گئے۔ مگر دیکھنے میں آیا ہے کہ ان میں مسلمان نمائندے الا ماشاء اللہ کا مصداق تھے۔ اس کی وجہ سرکاری بیانات میں یہ بتائی جاتی ہے کہ مسلمان ان شعبات زندگی میں ہیں ہی نہیں۔ کچھ ضرور ہے۔ مگر اس قدر نہیں کہ مسلمان میسر ہی نہ ہوں یہ اغیار کی رعنائی اور اعراض ہے۔

اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمان نے مدتوں سے اقتصادیات سے بے غرضی اور لاپروائی برتی ہے۔ اور وہ جس طرح سیاسی و تعلیمی ترقی میں دوسروں سے پیچھے رہ گیا ہے اسی طرح اقتصادیات و معیشیات میں دوسروں سے پیچھے ہے۔ اب وقت ہے کہ موجودہ جدوجہد میں وہ اپنا پورا حصہ لے۔ صوبہ سرحد کی حکومت کو چاہیئے کہ وہ اپنے صوبہ میں اقتصادیات کی بہتری پر پورا زور دے۔ انفرادی بیکاری کو دور کرنے کی تجاویز عمل میں لائے اور شخصی پیداوار کی طاقت و مقدار بڑھائے۔ اس طرح جب ملک و صوبہ کی دولت بڑھے گی۔ تو معیار زندگی اور ضروریات خرید کرنے کی طاقت خود بخود بڑھ جائے گی۔ ڈاکٹر کریم حیدر پروفیسر علیگڈھ یونیورسٹی کے خطبہ کا اردو ترجمہ اسی شمارہ میں شائع ہورہا ہے۔

خطوط!

(بقیہ صفحہ ۲۱)

تحریک تنظیم ملت کو بقائے و استحکام ملت کے لئے ضروری سمجھکر مجلس مشاورت کی تجویز کو پسند کیا۔ اور ایک مجلس عاملہ منتخب کی جس میں ہر طبقہ دہقان کے بزرگوں نے شرکت فرمائی۔

اس مجلس مشاورت کی مکمل اور مفصل روئداد اتحاد افغان کے صفحات میں شائع ہو چکی ہے۔ امید ہے۔ وہ روئداد آپ کے پیش نظر ہوگی۔ لیکن فوراً ہی بعد اتحاد افغان کی اشاعت میں کچھ ایسی دقتیں اور الجھنیں پیدا ہوئیں کہ مجلس مشاورت میں طے شدہ امور کی تکمیل نہ ہوسکی۔ بالآخر ہم لوگوں نے مجبور ہوکر۔ اتحاد افغان کو آپ صاحبان کی خدمت میں پیش کردیا۔ الحمد للہ آپ نے اسے نوازا۔ لیکن وہاں بھی کچھ اشاعت میں توقف اور تعویق ہوئی۔ جو آپ صاحبان کی طاقت اور ہمت سے باہر تھی۔ مگر خیر خدا جزائے خیر دے۔ آپ کی کوششیں بارآور ہوئیں۔ افغان پھر ضیاپاش ہے۔ مجھے امید ہے یہ ماہانہ صورت تو کم از کم جاری رہے گی۔ اس لئے اب میں ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ کہ اب وقت ہے۔ کہ مجلس مشاورت کی جدید ترتیب و تنظیم کے مسئلہ پر مکرر غور و فکر کیا جائے۔ اور اس رقم کے متعلق بھی سوچنا ہے۔ جو بنک میں موجود پڑی ہے۔

اب چونکہ مرکز لدھیانہ سے ہٹ کر دہلی منتقل ہوچکا ہے۔ اس لئے ملتمس ہوں کہ دہلی میں ہی مجلس مشاورت منعقد کی جائے۔ اور اس دوسری نشست کا انتظام اور انصرام آپ کی رہنمائی میں ہو گزشتہ مجلس مشاورت کی مختصر روئداد مکرر شائع کردیں۔ یا جس طرح مناسب خیال فرمادیں۔ قارئین کرام کو مناسب اور موزوں وقت پر دہلی میں تشریف ارزانی فرمانے کی دعوت دیں۔

ایجنڈا بھی اخبار کے ذریعہ شائع کردیں۔ اس سلسلہ میں قارئین کرام سے استدعا فرمادیں۔ کہ وہ اپنی رائے سے مطلع فرمادیں۔

نیازمند۔ محمد یعقوب خاں

تقدیر اُمم کیا ہے؟

قوموں کے عروج وزوال پر ایک بصیرت افروز تقریر

(از خواجہ غلام السیدین)

خواجہ صاحب تعلیم یافتہ ہند بلکہ بیرون ہند میں ایک خاص شخصیت اور امتیاز کے حامل ہیں اور ان کی ہستی محتاج تعارف نہیں۔ آپ نے یہ تقریر آل انڈیا ریڈیو پر نشر کی تھی جو محکمہ کی اجازت سے ہمایوں میں شائع کی گئی اور اس لئے ہم نے اس کے شائع کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے۔ اس کی ایک خاص وجہ و نسبت ہے۔ اتحاد افغان کی نشاط ثانیہ میں اس کی قرطاس پر اقبالؒ کا یہ شعر لکھا تھا۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے ؛ شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

شاعر اسلام نے کس بے حس فلسفہ و مقصد کو حل کیا ہے۔ مطلب ہر پڑھنے والے نے اپنی اپنی علمی اور استعداد کی قابلیت کے مطابق سمجھا ہوگا مگر اپنی تقریر میں خواجہ صاحب نے جس حسن وخوبی سے قوموں کے عروج وزوال پر اس شعر کے مطلب ومعانی کو منکشف کیا ہے وہ انہی کا حصہ وشان ہے۔ اس کی اس نمایاں خوبی کے باعث ہم ان کی اس پر مغز تقریر کو جو کتابت میں آچکی ہے۔ اور جس کی اشاعت کی اجازت بھی ہو چکی ہے۔ قارئین افغان کے لئے پیش کرتے ہیں۔

تقدیر امم کیا ہے ؟ یہ ایک بہت ہی بڑا اور بہت اہم سوال ہے اور صرف بیسویں صدی کی برق رفتاری ہی اس بات کی توقع کر سکتی ہے کہ پندرہ منٹ میں اس کا کوئی معقول جواب دیا جا سکے۔ بہر حال آیئے ذرا تاریخ کی ورق گردانی کریں۔ وہاں یہ تماشا نظر آتا ہے کہ قومیں پیدا ہوتی ہیں۔ عروج حاصل کرتی ہیں۔ تمدن کے سرمایہ میں کچھ اضافہ کرتی ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ ان کا زوال شروع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ آخر کار صرف ان کا فسانہ عبرت تاریخ کے صفحوں میں محفوظ رہ جاتا ہے۔ کیا یہ بھی انسان کے مرنے جینے اور سورج نکلنے اور ڈوبنے کی طرح ایک اٹل اور ناگزیر فطری حادثہ ہے جس میں انسان کے دست قدرت کو کوئی دخل نہیں۔ یا اس میں کسی سماجی اور اخلاقی قانون کی کارفرمائی ہے ؟ میرے خیال میں قوموں کے عروج وزوال کو کسی بیرونی قوت کا تابع قرار دینا

ناسمجھی کا ثبوت ہے۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ قومیں خود اپنے اعمال سے اپنا حال اور مستقبل بناتی ہیں۔ اور اپنی ہی بداعمالیوں سے تباہ ہوتی ہیں۔ قوانین قدرت انصاف پر مبنی ہیں۔ وہ نہ کسی قوم پر ظلم کرتے ہیں۔ نہ اس کی بیجا نازبرداری کرتے ہیں۔ یا قرآن شریف کے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے۔ خدا کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا۔ جب تک وہ خود اپنی اندرونی صلاحیت کو تبدیل نہ کرے۔

لہذا ہمارے مسئلہ کی یہ صورت بن جاتی ہے۔ کہ قوموں کیلئے نیک عملی اور بدعملی کا معیار کیا ہے ؟ کون سے اسباب ایسے ہیں جو ان کی زندگی میں قوت اور حسن پیدا کرتے ہیں۔ اور کون سی کمزوری بداخلاقی اور زوال کی طرف لے جاتے ہیں ؟ قدرت نے افراد اور جماعتوں کو مختلف قسم کی جسمانی، دماغی اور اخلاقی قوتیں عطا کی

وسائل عطا فرمائے ہیں۔ اور کامیابی کے لئے شرط یہ رکھی ہے۔ کہ وہ ان کو ضائع نہ کریں۔ بلکہ ایک قیمتی امانت سمجھ کر ان سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ اخلاق کی اصطلاح میں کسی نعمت کے مناسب استعمال کو شکر کہتے ہیں جو قومیں شکر کا فرض ادا کرتی ہیں۔ اور اپنی دولت، علم اور وقت کو کفایت اور معقولیت کے ساتھ استعمال کرتی ہیں۔ ان کی قوتیں فروغ پاتی ہیں۔ اور وہ دنیا میں کامیابی حاصل کرتی ہیں۔ برخلاف اس کے جو قومیں ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتی ہیں۔ ان کی قوتیں مضمحل ہو کر رہ جاتی ہیں۔ یہی مکافات عمل یعنی جزا اور سزا کا قانون ہے۔ "اگر تم شکر کروگے تو میں تمہاری نعمتوں میں اضافہ کروں گا۔ لیکن اگر کفران نعمت کروگے۔ تو میرا عذاب بھی سخت ہے"۔ مگر یہ عذاب خدا کی طرف سے براہ راست نازل نہیں ہوتا۔ قوانین فطرت کا نتیجہ ہوتا ہے جو آتش فشاں پہاڑ کی طرح چپ چاپ کام کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ قومیں جو بظاہر خوشحال اور طاقتور معلوم ہوتی ہیں۔ دفعتہً اس قانون کی زبردست پکڑ میں آکر خاک میں مل جاتی ہیں۔ اس تعزیر میں دیر لگ سکتی ہے۔ لیکن اس سے چھٹکارا ممکن نہیں جونہی کسی قوم میں جدوجہد، فکر و عمل اور سعی و طلب کی صلاحیت کم ہوتی ہے۔ اس کے عبرت ناک انجام کا سایہ بڑھنا اور پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔

آئیے! اب مختصر طور پر یہ دیکھیں۔ کہ قوم میں حیات صالح پیدا کرنے کے لئے کون سی صفات اور شرائط ضروری ہیں۔ میرے خیال میں قومی ترقی کے لئے سب سے مقدم شرط یہ ہے کہ قومی زندگی کی بنیاد سماجی اصولوں پر رکھی جائے۔ اس بنیادی صفت کے بغیر اور تمام کمالات بیکار رہیں یا بیکار ہو جاتے ہیں۔ جس سماج میں انصاف نہیں ہوتا۔ وہاں تلوار اور قلم۔ ادب اور آرٹ دولت اور تجارت، قوت حکومت سب کو کوئی چیز اندر ہی اندر گھن کی طرح کھاتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک روز ساری عمارت نیچے آپڑتی ہے۔ قدیم یونانیوں کی تہذیب جس میں علم اور آرٹ کی ہم آہنگی نے ایک شان دل فریبی پیدا کردی تھی۔ اور قدیم رومی تہذیب جو اپنی سلطنت اور سیاسی قوت پر نازاں تھی۔ کیوں تباہ ہوئیں۔ اس لئے کہ ان میں تمام انسانوں کا بحیثیت انسان کے احترام نہ تھا۔ اور ان کی دیدہ زیب سطح کے نیچے بے شمار ایسے غریبوں اور مظلوموں کی تاریک زندگیاں دبی ہوئی تھیں جو تہذیب کی روشنی اور عام انسانی حقوق دونوں سے سراسر محروم تھے۔ مگر مثالوں کے لئے ماضی میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا آج بھی مغربی تہذیب کی ناکامی کا نظارہ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود نہیں ہے۔ وہاں ایک طرف سائنس اور صنعت و حرفت کی ترقی اور انسانی دماغ کی خلاقی نے انسان کی کام کرنے اور دولت پیدا کرنے کی صلاحیت کو سوگنا بڑھا دیا ہے۔ اور دوسری طرف سرمایہ داری کے ظلم اور انسان دشمنی کی بدولت بڑی بڑی جماعتیں بلکہ ملک کے ملک مفلسی، جہالت اور بے کاری میں گرفتار ہیں۔ انسان کے پاس ایسے علمی اور مادی وسائل موجود ہیں۔ جن کی مدد سے وہ غربت اور بیکاری کا خاتمہ کر سکتا ہے۔ عوام کی جہالت کو دور کر سکتا ہے۔ ان کی صحت کو بہتر بنا سکتا ہے۔ ان کے رہنے کو مکان، پہننے کو کپڑا، پڑھنے کو کتابیں مہیا کر سکتا ہے۔ لیکن چونکہ سماج میں انصاف اور انسانیت کی حکومت نہیں۔ اس لئے سائنس کی ترقی بے کار اور خوش حالی اور امن و امان مفقود ہیں۔ اور اسی صنعت و حرفت کی ترقی اور سفر کی آسانی اور تیزی نے قوموں کی باہمی وابستگی کی ایک نئی صورت پیدا کردی ہے۔ ان حالات میں دولت اور دوسرے مادی اور تہذیب وسائل کی منصفانہ تقسیم نہ صرف اخلاق کی رو سے ایک اچھی چیز ہے۔ بلکہ عملاً بھی اس کے بغیر چارہ نہیں۔

لیکن یہ ایسی صورت میں ممکن ہے۔ جب قوم کے تمام افراد میں ایکا ہو اور ان میں سے ہر ایک جماعت کی عزت میں اپنی عزت اور جماعت کی ذلت میں اپنی ذلت سمجھے۔ اور نفسی نفسی کے بجائے انصاف کے اصول پر عمل کرے۔

قومی ترقی کے لئے دوسری اہم شرط محنت، جفاکشی اور کسب حلال کی عادت ہے۔ افراد کی طرح جماعتوں کی صحت کے واسطے بھی حرکت اور جدوجہد ضروری ہے۔ جب کوئی قوم عمل اور جدوجہد کی زندگی سے جی چرانے لگتی ہے۔ اور عیش و عشرت یا گوشہ نشینی اختیار کر لیتا ہے۔ تو اس کی قوتیں معطل ہو جاتی ہیں۔ اور جسمانی اور ذہنی کاہلی کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اس کے بہت سے افراد کام کو عار خیال کرنے لگتے ہیں۔ اور محنت کر کے روزی کمانے کے بجائے پیری، مریدی، درویشی اور مجاوری کے پھیر میں پڑ جاتے ہیں۔ یا رؤسا کی مصاحبت یا دربار داری خوشامد کے ذلیل پیشے اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ان میں سوال کی عادت

پیدا ہو جاتی ہے جو خودی اور خودداری کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتی ہے۔ اس ناکردہ کار جماعت میں ان کے علاوہ وہ دولتمند طبقہ بھی شامل ہے جو بغیر کمائی دولت پر عیش کرتا ہے۔ اور کسی شکل میں بھی سماج کا قرض ادا نہیں کرتا جس قدر کسی قوم میں ایسے تن آسان اور بے کار افراد کی تعداد زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر اس کے زوال کے دن قریب آتے جاتے ہیں اسی لئے انصاف اور دانشمندانہ خودغرضی کا تقاضا یہی ہے کہ قومی زندگی کی تنظیم میں سب سے مقدم جگہ ان کروڑوں بندگان خدا کو دی جائے جن کی محنت اور جفاکشی پر ہماری تہذیب و تمدن کا انحصار ہے۔ اور گرمی محفل کے لئے نہیں۔ بلکہ درحقیقت سیاست کا معمول کا یہ ہو کہ

جس کھیت سے دہقان کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

یونان اور مصر اور روم کی قدیم تہذیبیں بڑی شان و شوکت کے ساتھ اٹھیں۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ کاہلی عیش و عشرت اور بیکاری میں پڑ گئے اور سعی و عمل کی گرمی کے دن ارباب نشاط کی محفلیں گرم ہونے لگیں۔ نتیجہ کیا ہوا۔ قدرت کے اٹل قانون نے کروٹ لی۔ اور ان کی قوت اور عظمت کو خاک میں ملا دیا۔ میں نے چند روز ہوئے برطانیہ کے متعلق ایک کتاب پڑھی تھی جس کا نام مجھے بہت پسند آیا۔ یعنی "ایک ایسی دنیا جو کام کرتی ہے" یہ عنوان کیا ہے۔

قوموں کی زندگی اور موت کے لئے ایک کسوٹی ہے۔ جو قومیں کام کریں گی۔ وہ زندہ رہیں گی جو کام سے جی چرائیں گی۔ اور اس کو ایک بار سمجھ کر دوسری جماعتوں یا دوسری قوموں پر ڈالنے کی کوشش کریں گی۔ وہ فنا ہو جائیں گی۔ اور کم از کم میں ان پر آنسو بہانے کو تیار نہیں ہوں۔ کام تو زندگی کی قیمت ہے۔ اور جو شخص یا جو جماعت اس قیمت کو ادا کرنے سے گریز کرتی ہے۔ اس کی میرے دل میں اتنی ہی وقعت ہے جس قدر کسی چور یا اچکے کی۔

جب انصاف اور محنت اور سادگی اور کفایت شعاری کی بنیادوں پر قومی زندگی کی عمارت کھڑی ہو جائے تو اس میں قوت اور حسن و خوبی اور نظم و ترتیب پیدا کرنے کے لئے افراد قوم میں تین چیزوں کی ضرورت ہو گی۔ جرات رواداری اور ڈسپلن۔ جرات زندگی کی علامت ہے۔ اس کی بدولت قوم میں حوصلہ اور مشکلات کو جھیلنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ خوف جو جرات کی ضد ہے زندگی کو پر پیچ کر دیتا ہے۔ رواداری کے بغیر انفرادیت کی تکمیل ناممکن ہے۔ اور قومی زندگی میں تنوع کی شان ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اختلافات انسان کی فطرت کا جزو ہیں۔ اگر قوم میں رواداری کا جذبہ نہ ہو تو یہ اختلافات مخالفت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ہر گروہ دوسروں پر زبردستی ایک خاص قسم کی یکسانیت عائد کرنا چاہتا ہے۔ جو ترقی کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ ڈسپلن اس لئے ضروری ہے۔ کہ اس کے بغیر کوئی کام انتظام ترتیب اور خوش اسلوبی کے ساتھ نہیں ہو سکتا ہے۔ اور افراد اور جماعتوں میں خواہ مخواہ کی رسہ کشی ہوتی رہتی ہے جس میں ان کی قوت ضائع ہوتی ہے لیکن حقیقی ڈسپلن وہ ہے جو کوئی بیرونی طاقت یا کوئی جابر حاکم قوم پر باہر سے عائد نہ کرے۔ بلکہ وہ آزادی کی فضا میں خوش دلی کے ساتھ کام کرنے اور اتحاد مقاصد کے احساس کا نتیجہ ہو۔

ممکن ہے۔ آپ کہیں۔ ان سب صفات کی اہمیت تسلیم لیکن ان کی تربیت کیسے کی جائے؟ میرے خیال میں بڑے پیمانے پر قومی اور شخصی کیرکٹر کی تشکیل کے لئے چند شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے۔ جن میں سب سے مقدم شرط یہ ہے کہ قوم کے سامنے کوئی بڑا نصب العین ہو جس کو بالعموم مانتے ہوں۔ اور ان کے اجتماع اور وحدت کے لئے ایک مرکز کا کام دے۔ اور ان کے فکر و عمل پر حاوی ہو جائے جب کبھی کسی قوم نے عروج حاصل کیا ہے۔ کسی نہ کسی آدرش نے اس کے لئے قوت محرکہ کا کام دیا ہے۔ مثلاً پرانے زمانے میں ہندوؤں کے سامنے معرفت حق کا نصب العین تھا یعنی اس ابدی اور ازلی حقیقت تک رسائی کی کوشش جس کے مقابلے میں دنیاوی زندگی کی حقیقت ایک پرچھائیں سے زیادہ نہیں بدھ مت نے تہذیب نفس کو اپنا مطمح نظر بنایا تھا۔ قدیم یونانیوں نے اپنی زندگی اور تہذیب میں خیر یا حق اور حسن کے تصورات کو سمونے کی کوشش کی تھی۔ رومیوں نے انسانی تمدن کے سرمائے میں قانون، انصاف اور سیاسی امن کے تصورات کا اضافہ کیا تھا۔ مسلمانوں نے اپنے سامنے انسانی وحدت، انصاف، اخوت اور مساوات کا نصب العین رکھا تھا۔ اور تاریخ کے اس تاریک دور میں ایک شمع روشن کی تھی جس کی چھوٹ آج تک ہم پہنچتی ہے لیکن یہ خیال رہے کہ ان تمام آدرشوں کی اہمیت اس وجہ سے

ہے۔ کہ یہ بعض خاص علمی، اخلاقی، سماجی یا جمالی قدروں کے حامل تھے۔ ورنہ محض دولت یا سیاسی طاقت پیدا کر لینا۔ اور اس کے ذریعہ دوسری قوموں کو غلام بنا کر خدا کی زمین میں فتنہ و فساد پیدا کرنا عظمت کی دلیل نہیں۔ حیوانیت کا ثبوت ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو یونانی سقراط، افلاطون اور ارسطو سے زیادہ سکندر پر فخر کرتے چنگیز خاں کے وحشی مغل ہمارے احترام کے مستحق ہوتے۔ اور ہٹلر کی جہانگیری اور انگریز کی عالمگیری سلطنت گوئٹے اور شکسپیر اور نیوٹن کے علمی اور ادبی کارناموں سے کہیں زیادہ قابل قدر شمار کی جاتیں۔

لیکن محض ایک نصب العین کا تعین کافی نہیں کیونکہ عام لوگوں کے لئے کسی مجرد تصور میں خواہ وہ قوت و شوکت کا ہو۔ یا حسن و جمال کا، یا انصاف و خدمت کا۔ کافی جاذبیت نہیں ہوتی۔ اس تصور کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لئے ضروری ہے کہ قوم کو کسی وقت پر کوئی ایسا لیڈر میسر آجائے جس کی تمام زندگی اور عمل اس بلند نصب العین کی تفسیر ہو۔ کیونکہ ایک سچے اور پرخلوص اور بے لوث انسان کی ذات ہی میں) وہ کشش ہوتی جو لاکھوں آدمیوں کے دل و دماغ میں انقلاب پیدا کر سکتی ہے۔

چڑھتی ہے جب عشق کی سان پہ تیغ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ

اس کے فیض صحبت سے رفتہ رفتہ قوم میں ایسے مخلص کارکنوں کی ایک جماعت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو نیکی اور سچائی کی تبلیغ کو اپنا مقصد حیات بنا لیتے ہیں۔ جاہ و منصب کی رشوت اور دولت و قوت کا لالچ ان کی نیت میں خرابی اور ان کے قدم میں لغزش پیدا نہیں کر سکتے۔ تاریخ عالم میں آج تک کوئی سیاسی یا سماجی یا مذہبی تحریک کامیاب نہیں ہوئی۔ اور کسی قوم کو عروج حاصل نہیں ہوا۔ جب تک اس قسم کی ایک ایثار پیشہ جماعت اس کی خدمت کیلئے کمر بستہ نہ ہوئی ہو۔ کہنے والے تو یہ کہتے ہیں۔ کہ ایسے ہی لوگوں کی برکت سے زمین اپنے محور پر قائم ہے۔ لیکن جب کسی قوم میں نیک اور بےنفس اور خدمت خلق کرنے والے لوگوں کی کوئی جماعت باقی نہیں رہتی۔ تو ان کا اخلاقی اور مادی زوال شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ قانون قدرت کے مطابق کوئی دوسری جماعت ان کی جگہ لے لیتی ہے۔ جس میں جد و جہد۔ خدمت خلق اور شکران نعمت کی بہتر صلاحیت ہوتی ہے۔ فطرت یقیناً ایسی قوموں کو مہلت بھی دیتی ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ بداعمالیوں کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ اور جزائے عمل کا قانون دفعتہً ان کو پکڑ لیتا ہے۔ جب کہ وہ غفلت میں سرشار ہوتے ہیں۔ قوموں نے اپنے ہاتھوں سے جو کچھ کمایا تھا۔ آج اس کی پاداش میں خشکی اور تری میں فتنہ و فساد برپا ہو گیا ہے۔ تاکہ لوگ اپنے اعمال کا پھل چکھیں۔ شاید ان کو اس سے عبرت ہو۔ اور وہ راست کی طرف آجائیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس جنگ کے بعد آنے والے کٹھن زمانے کی آزمائش میں کون سی قوم پوری اترتی ہے۔ بیسویں صدی کی لبرلزم اور عدم مداخلت کی پالیسی ان حالات میں کام نہیں دے سکتی۔ اب باقاعدہ منصوبہ بندی اور اجتماعیت کا زمانہ ہے جس کے نقوش آج بھی سوویٹ روس میں واضح طور پر اور بعض دوسرے ملکوں میں ذرا دھندلے نظر آرہے ہیں۔ ہم ان کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہر قوم کے لئے وقت کے نئے تقاضوں اور مطالبات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ تبدیلی اور انقلاب ہی زندگی کی فطرت ہے۔ اور جس جماعت میں انقلاب سے متاثر ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ وہ زندگی کی دوڑ میں مات کھا جاتی ہے۔ اور بازار عالم میں اس کی حالت بقول حالیؔ یہ ہو جاتی ہے۔

یاں نکلے ہیں سودے کو درم لے کے پرانے
اور سکہ رواں شہر میں مدت سے نیا ہے

لیکن اجتماعیت بھی بجائے خود ہر مرض کی دوا نہیں۔ اس میں ظلم، حق تلفی، انسان دشمنی اور بے جا تصرف کی گنجائش ہے نسلی غرور، تحکم اور ملوکیت اس کو بھی مسخ کر سکتے ہیں؟ انصاف اور آزادی اور امن اس بت کی بھینٹ کبھی چڑھائے جا سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کونسی قوم یا قومیں اس نئے نصب العین کی روشنی میں سائنس اور صنعت و حرفت کی حیرت انگیز طاقتوں کی تمام بنی نوع انسان کے فائدے کے لئے استعمال کریں گی۔ کیا ہندوستان ایسا کر سکے گا؟ کیا چین میں اس کی صلاحیت ہوگی۔ کیا روس کی سماج سیوا اور سماجی مساوات کی کوششیں

عربی اتحاد اور وفاق

گذشتہ دو اشاعتوں میں ہم نے مشہور افغان اہل قلم سردار اقبال علی شاہ مقیم لندن کا پُرتحقیق و معلومات مضمون "عرب اتحاد اور عرب وفاق" جو مقامی ہمعصر "آجکل" سے لیا گیا شائع کیا تھا۔ فاضل مضمون نگار نے اس میں ابتدائی حالات و تاریخ کے پس منظر میں موجودہ حالات کی کیفیت کو خوب مرتب و واضح کیا ہے۔ اور آخیر میں مسٹر ایڈن وزیر خارجہ انگلستان کی تقریر کے اس اقتباس پر مضمون کو ختم کیا ہے "گذشتہ جنگ عظیم کے اختتام پر جو صلح ہوئی تھی اس کے بعد سے دنیائے عرب نے کافی ترقی کی ہے۔ عرب مفکرین کا خیال ہے کہ عرب میں مزید اتحاد کی ضرورت ہے۔ اس اتحاد کو حاصل کرنے کے لئے وہ ہماری مدد کے خواہاں ہیں۔ اور ہم اپنے دوستوں کی کسی ایسی خواہش کو ٹھکرانا نہیں چاہتے۔ مجھے یہ بات صحیح بھی معلوم ہوتی ہے اور قدرتی بھی کہ عرب ممالک کے درمیان اقتصادی اور ثقافتی بندھنوں کو اور بھی استوار کیا جائے۔ ہز میجسٹی کی حکومت ہر اس تحریک کی پوری حمایت کرے گی جسے عام مقبولیت حاصل ہو۔ یہ بہت اہم اعلان ہے۔ اس کے الفاظ صریح یہ بتلاتے ہیں کہ حکومت برطانیہ جسے مشرق قریب کے سیاسی اور تجارتی امور سے اس قدر تعلق ہے۔ وہ عربی اتحاد کی تحریک کے مخالف نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس کی حامی اور مدد ثابت ہوگی بشرطیکہ خود عربوں نے ایسا نظام اتحاد تجویز اور مرتب کر لیا جسے عام مقبولیت حاصل ہو۔

عربی اتحاد کی تحریک پانچ چھ سال سے سرعت کے ساتھ ترقی کر رہی ہے۔ اور اس جنگ عظیم کے دوران میں اس تحریک کو خاص تقویت حاصل ہوئی جبکہ متحارب فریقین عربی اور اسلامی ممالک کو اپنے پروپگنڈے سے اپنے ساتھ کرنا اور رکھنا چاہتے تھے۔ جنگ کے ابتدائی تین سالوں میں اسی مقصد کے لئے بہت پروپگنڈا اور نشر رہا جب شام۔ فلسطین اور مصر پر دشمن کا خطرہ تھا۔ اس وقت خود انگریزوں نے اتحاد عرب کی تحریک کی حمایت کی چونکہ متحدہ عربستان ہر دوسرے ملک کے ساتھ بہتر تعلقات رکھ سکتا ہے بمقابلہ موجودہ منقسم عربی ریاستوں کے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ عرب ریاستوں میں باہمی اتحاد و تعلق کی تحریک خود ان میں پیدا ہوئی اور اس میں کسی دوسرے کا ہاتھ نہیں ہے۔ آج سے تیرہ سو سال پہلے عربوں نے دنیا کو متحد ہونے کی مذہبی دعوت دی تھی اور آج وہ آپس میں ایک دوسرے کو مذہب اور زبان کے تعلق کے علاوہ دوسری اہم وجوہات کی بنا پر اتحاد اور وفاق کی دعوت دے رہے ہیں۔

اس مقصد کی کامیابی میں بڑے مراحل و مشکلات ہیں مگر اس کا تخیل گہرا اور پختہ ہو چکا ہے اور اب یہ تحریک عملاً بھی کافی ترقی کر چکی ہے گذشتہ سال ماہ ستمبر و اکتوبر میں اس خیال و مقصد پر غور کرنے کے لئے عربی ممالک کی ایک کانفرنس قاہرہ میں ہو چکی ہے جس میں بہت سی ابتدائی کارروائی و تجاویز طے ہو چکی ہیں۔ جس کے ماتحت ہر عربی ریاست و ملک میں کام ہو رہا ہے اور حال ہی میں ان ممالک کے وزراء خارجہ کی ایک کانفرنس پھر قاہرہ میں ہونے والی ہے۔ اس تحریک کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس سے تقریباً ایک مذہب اور ایک زبان رکھنے والے تین کروڑ مردمان کی آبادی کا معاملہ و بہبود تعلق رکھتا ہے۔ اور ہمیں اس تحریک سے اس وجہ سے ہمدردی ہے کہ اس آبادی میں کثیر التعداد مسلمان ہیں۔ جو ان "بندگان صحرائی" کی نسل میں سے ہیں۔ جن کو سب سے اول اسلام شمع ہدایت کا نور ملا اور جن کی زبان میں فرقان حمید نازل ہوا۔ اور یہی عرب قوم کی دوسری اسلامی اقوام پر سب سے بڑی فوقیت ہے۔ اس کے علاوہ خدمت اسلام و علم اور درخشندہ تاریخ ان کے امتیازات ہیں۔

اتحاد و اتفاق خود مترادف رحمت ہیں۔ ان اسباب کا تصور

اور عمل جو اسی تجویز کے متحرک ہیں موجب شکوریت ہے۔ یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ آخیر میں یہ اتحاد کیا صورت اختیار کرے گا۔ مگر حسن شغف گرمجوشی اور عمل سے سب عربی ممالک نے اس تحریک کا خیر مقدم کیا ہے۔ اس سے امید کی جاتی ہے۔ کہ اس تحریک کا اچھا نتیجہ نکلے گا۔ مغربی اخبارات کے نامہ نگاروں نے اپنی اپنی رپورٹوں میں لکھا ہے۔ کہ شہری اور بدوی آبادی اس تحریک سے یکساں متاثر ہے اور یہ امر خاص کر دلچسپی رکھتا ہے۔ کہ عیسائی عربی آبادی باہمی اتحاد اور ملکی وفاق کی حامی ہے۔

عربوں میں بیداری کی تحریک طرح طرح سے نمودار ہو رہی ہے۔ فلسطین کے عربوں کے معاملہ اور یورپ میں یہودیوں کے روزمرہ کے بڑھتے ہوئے آبادی کے سیلاب کے سئلہ نے تمام عربی ریاستوں میں متفق الخیالی پیدا کر دی ہے ان کو احساس ہو گیا ہے کہ وہ باہمی مشورت سے ایک ایسا دستور بنائیں کہ وہ اپنے ملکی اور خارجی معاملات کو اپنے ملکی مفاد کے مطابق حل کر سکیں حال ہی میں امریکہ اور انگلستان میں یورپ بدر یہودیوں کے لئے فلسطین میں آباد کرنے کے موافق اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اس کی ہر ذمہ دار عرب نے پرزور مخالفت کی ہے۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۹ء تک بیشمار آراضیات عربوں کی ملکتیں یہودیوں نے خرید لی ہیں۔ ان کو واپس خریدنے کے لئے ایک بڑا فنڈ قایم کیا گیا ہے۔ جس کا مقصد خرچ عربوں کی ان کے ہاتھ سے گئی ہوئی جائدادوں کو واپس لینا ہے یہودیوں کی فلسطین میں موجودگی نے عربوں کے مذہبی خیال اور معاشرت پر بہت بڑا اثر ڈالا ہے۔ جائدادوں سے محرومی اور معاشرتی تخریب کو عربوں نے چند ہی سالوں سے محسوس کیا۔ اب عرب عورتوں میں اپنے ملک کی معاشرتی زندگی کو بیرونی غلاظتوں سے محفوظ رکھنے کی تحریک زور پکڑ رہی ہے۔ یہ اندرونی حالات ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں پروپیگنڈا ایک بڑی طاقت ہے۔ اس اہمیت کو ملحوظ رکھکر حال ہی میں مقام واشنگٹن (امریکہ) میں عربی ممالک کی مشترکہ مالی امداد سے ایک عربی پروپیگنڈا اسکیشن کھولا گیا ہے۔ جس کے صرفہ کا اندازہ ۳ لاکھ پونڈ ہے۔ جس میں سے ایک لاکھ پونڈ حکومت عراق نے سب سے پہلے دیدیا ہے۔ امدادی کام شروع ہو چکا ہے۔

یہ سب کچھ اچھے نتائج کا پیش خیمہ ہے۔ جنگ عظیم سے قبل معلوم ہوتا تھا۔ کہ اسلامی ممالک میں تحریک احیا زندگی سیاسیہ شروع ہو چکی ہے۔ ان میں سے چند کے معاملات پر اس جنگ کا فی الحال برا اثر پڑا ہے۔ جو باقی ہیں وہ اپنی طاقت و تدبیر سے یا آپس میں ایک دوسرے سے مل کر اگر اپنی حالت کی درستی اپنے داخلی و خارجی معاملات کی بہتری کی تجاویز سوچیں اور ان کو عمل میں لائیں اپنے باہمی اتحاد کو استوار کریں اس سے زیادہ عالم اسلام کے لئے خوش کن اور کیا بات ہو سکتی ہے۔

"افغان" کے متعلق انتظامی تبدیلیاں

"افغان" کے پرنٹر و پبلشر اب تک سردار محمد حیات خاں صاحب سلجوقی ہیں مگر صاحب موصوف اپنے ذاتی فیصلہ کے باعث اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں چنانچہ جیسا کہ پیشتر لکھا جا چکا ہے۔ نئے پرنٹر و پبلشر کی درخواست مولانا عبدالقادر خانصاحب نے خود سردار صاحب کی تائید کے ساتھ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ دہلی کو گذشتہ ماہ دسمبر میں بھیجدی ہے حکم کا انتظار ہے۔ جس کے موصول ہونے پر یہ [illegible] تبدیلی عمل میں لائی جائے گی۔ محبوب علی خاں صاحب ایڈیٹر کی صحت اموات کے صدمات کے باعث بہت خراب ہو گئی اور انھوں نے ان مجبوریوں کے باعث "افغان" منتظمہ کمیٹی سے ادارت کا کام انجام دینے سے معذوری چاہی ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں سبکدوش کر دیا گیا ہے۔

اب جناب جلال شیرانی "اعزازی مدیر" کی حیثیت سے شریک انتظام ہوئے ہیں۔ آپ پرانے اہل قلم اور شاعر ہیں اور صحافتی تجربہ رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ ان کا عہد ادارت "افغان" اور اس کے مشن کیلئے مفید ثابت ہوگا۔

"افغان" کی اشاعت میں ترقی کے لئے منتظمہ کمیٹی نے تجویز کیا ہے کہ ایک سفیر ان علاقوں میں بھیجا جائے جہاں پر افغانوں کی آبادیاں اور ان کے قربات ہیں۔ اس تجویز کا نوٹس ضمناً گذشتہ اشاعت میں دیا جا چکا ہے۔ اسی مقصد کیلئے ایک صاحب کو بحیثیت سفیر "افغان" دہلی اور دہلی سے باہر روانہ کیا جائے گا۔ ان کے پاس "دفتر افغان" کی گشتی چٹھی، تعارفی خطوط۔ رسیدات چندہ ہوں گے۔ ان ذرائع سے وہ افغان برادری کے اصحاب کے پاس پہونچیں گے۔ ہمیں امید و یقین ہے کہ افغان کے نام و مقصد کے خاطر بیشتر اصحاب اس کو شرف خریداری

معاشیاتِ ہند

ہندوستانی معاشیاتی کانفرنس میں ڈاکٹر ایل کے حیدر کی تقریر

دہلی ۳۰ دسمبر۔ ہندوستانی معاشیاتی کانفرنس کے ستائیسویں اجلاس میں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے ڈاکٹر ایل کے، اے حیدر نے اپنی تقریر میں فرمایا۔ لڑائی شروع ہونے کے بعد سب سے پہلی بین الاقوامی لیبر کانفرنس سن ۱۹۴۴ء میں فلیڈیلفیا میں ہوئی وہاں بالاتفاق یہ تسلیم کیا گیا کہ دنیا کی ساری قوموں کو ایسے پروگرام بنانے چاہئیں جس سے سب آدمیوں کو کام مل سکے اور معیار زندگی بلند ہو۔ ہمارے ملک میں یوں تو بہت نفاق پھیلا ہوا ہے۔ لیکن جتنی سرکاری یا غیر سرکاری تعمیری اسکیمیں بن رہی ہیں۔ ان سب کے پیش نظر یہی سوال ہے۔ اور لوگوں نے سمجھ لیا ہے۔ کہ معیار زندگی بلند کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پیداوار بھی بڑھائی جائے۔ اس سلسلہ میں صنعتوں کی ترقی بہت اہم چیز ہے۔ یوں تو ہمارے ملک کے افلاس میں اور بھی بہت سی چیزوں کا ہاتھ ہے۔ جیسے بیماریاں، جہالت، آبادی کی زیادتی، وغیرہ لیکن لوگوں کا یہ خیال درست ہے۔ کہ مسئلہ درحقیقت پیداوار ہی کا ہے۔ لیکن اس مسئلے پر لکاس کے نقطۂ نظر سے بھی غور کیا جا سکتا ہے۔ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے۔ کہ اس نقطۂ نظر سے دیکھتے ہوئے معیار زندگی کا تعلق آب و ہوا۔ جذبات اور جبلیاتی رجحانات سے ہے۔

معاشیات کے طالب علموں کی حیثیت سے ہمارا تعلق صرف معیار زندگی کی ظاہری اور معروضی شکل سے ہے۔ اس نقطۂ نظر سے سب سے پہلی بات یہ دکھائی دیتی ہے کہ ہندوستان میں معیار زندگی بہت نیچا ہے۔ اور دوسرے ملکوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ تبدیل نہیں ہوا ہے۔ جرمنی، امریکہ، اٹلی، جاپان اور روس صنعتی اعتبار سے اول درجے کی طاقتیں ہیں۔ حالانکہ ہمارے ملک میں طرح طرح کے قدرتی ذرائع موجود ہیں۔ لیکن نہ یہاں لڑائی کا جہاز بنتا ہے۔ نہ ہوائی جہاز، نہ انجن، نہ کوئی اور مشین۔ اگر ہم معیار زندگی بلند کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں کسی ایک صنعت میں نہیں بلکہ اس کی ہر شاخ میں پیداوار بڑھانی پڑے گی۔

کسان پر بوجھ

تعلیم اور صحت کے قومی پروگرام بھی اہم چیزیں ہیں۔ لیکن ان کا معاملہ لمبا ہے۔ اور ان کا اثر پیداوار پر کچھ دن کے بعد پڑنا شروع ہوتا ہے۔ سڑکیں، ریلیں اور ہوائی جہاز ہماری مدد تو کریں گے۔ لیکن ان پر خرچ بہت ہوگا۔ اور ان سے براہ راست ہندوستان کی پیداوار میں اضافہ نہیں ہوگا۔ ان سے پیداوار کی آمد و رفت میں تو آسانی ہوگی۔ لیکن پیداوار کا تناسب ان سے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ آج کل کوئی چیز محض اس وجہ سے بازار میں نہیں آتی۔ کہ آمد و رفت کی آسانیاں نہیں ہیں۔ اس مسئلے کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔ یعنی خرچ۔ اس کا سارا بوجھ ہندوستانی کسان پر پڑے گا۔ لیکن ان جدید ذرائع آمد و رفت سے کسان کو زیادہ فائدہ پہونچنے کی امید نہیں۔ مثال کے طور پر، یہ سمجھنا مشکل ہے۔ کہ ہوائی جہازوں کو ترقی دینے کی اسکیموں پر جو روپیہ خرچ ہوگا۔ اس سے ہندوستانی زراعت کو براہ راست کیا فائدہ پہونچے گا۔ یا ہندوستانی صنعتوں کو سے لیجئے۔ یہ ملنے کیلئے بڑی غور و تیقین کی ضرورت ہے کہ ہندوستانی مالک کا دماغ بھی اتنی ہی تیزی سے حرکت کر سکے گا۔ جتنا اس کا جسم، اور وہ ہندوستانی صنعت کی پیداوار بڑھا سکے گا۔ تاکہ

ہندوستانی مزدوروں کا معیار زندگی بھی بلند ہو۔

ان اسکیموں پر کافی روپیہ خرچ ہوگا۔ اگر ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کی پیداوار بھی نہ بڑھتی گئی۔ تو شاید ان کے لئے روپیہ اکٹھا کیا جائے گا۔ لیکن ہم اس طرح روپیہ اکٹھا کرنے کی خرابیاں بہت کچھ دیکھ چکے ہیں۔ اس اہم اور مرکزی حقیقت سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے کیونکہ جب تک ہماری پیداوار کافی نہ بڑھ جائے۔ ہم اپنے ملک کا معیار زندگی بلند نہیں کر سکتے۔ اور نہ ایسی اسکیمیں شروع کر سکتے ہیں جن کا فائدہ براہ راست نہیں ہوگا۔ بلکہ بہت دن میں۔ اور جن میں خرچ تھوڑا ہوگا۔ اور بہت کافی نکاس کے نقطۂ نظر سے ہمارے معیار بہت گرے ہوئے ہیں۔ اس کا احساس لڑائی کے زمانے میں ہوتا ہے یا کسی سیلاب اور قحط وغیرہ کے زمانے میں۔ ہماری آبادی کا غالب حصہ کسان ہے۔ اور ان کی کم و بیش وہی حالت ہے۔ جو کسی حبشی، یا فلاح یا بدوی اور جنوب مشرقی ایشیا کے جزیرے میں کسی قلی کی۔

افریقہ کے معاشی نظام کا سارا بوجھ حبشیوں کے کندھوں پر ہے۔ وہی سڑکیں اور ریلوے لائنیں بناتے ہیں۔ کھیتوں اور کانوں میں کام کرتے ہیں۔ اور دکانوں میں بھی وہی نظر آتے ہیں۔ افریقہ کی سفید اور سیاہ آبادی میں جس قسم کا تعلق ہے۔ اس کی تعریف اس فقرے میں ملے گی۔ سیاہ آدمی کے بازو اور سفید آدمی کا دماغ۔

فلاح کا معیار زندگی ہزاروں سال سے نہیں بدلا۔ وہ مٹی کی جھونپڑی میں رہتا ہے۔ اور خراب سے خراب کھانا کھاتا ہے گرد و غبار اور بیماریوں کی وجہ سے اسے بہت تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ اس کی سستی اور کاہلی کا بہت بڑا سبب خراب کھانا اور بری صحت ہے۔

معیار زندگی

ان سب لوگوں کی معاشی حالت پر غور کرتے ہوئے بعض چیزیں سب میں مشترک نظر آئیں گی۔ یہ سب لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ چاہے اس مسئلے کو پیداوار کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے یا نکاس کے لحاظ سے، ان کی زندگی بڑی مشکل سے بسر ہوتی ہے اور معیار زندگی بہت گرا ہوا ہے۔

لیکن اگر عالمگیر رجحانات عمل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ تو آپ دیکھیں گے کہ معیار زندگی بلند کرنے کے لئے صرف زراعت کافی نہیں ہے۔ اگر ان لوگوں کو مادی اعتبار سے خوشحال بنانا مقصود ہے۔ تو پیداوار کی تمام شاخوں میں پورے شدومد سے کام کرنا چاہیئے۔ ہر اس ملک میں جہاں آمدنی کا اوسط بڑھ رہا ہے زراعتی آبادی میں کمی ہوتی جا رہی ہے۔ یہ رجحان ساری دنیا میں پایا جاتا ہے۔ جو ملک صنعتی اعتبار سے ترقی کر گئے ہیں۔ جیسے امریکہ، برطانیہ اور جرمنی، وہاں یہ چیز دیکھی جا سکتی ہے۔ امریکہ میں زراعت، جنگل کاٹنے اور مچھلی پکڑنے والی آبادی کا تناسب ۱۸۷۰ء میں ۵۳ر۸ تھا اور ۱۹۳۵ء میں ۲۱ر۸ رہ گیا۔ برطانیہ میں یہ تناسب ۱۸۷۱ء میں ۱۴ر۸ تھا۔ اور ۱۹۳۱ء میں ۶ر۴ جرمنی میں ۱۸۹۳ء میں یہ تناسب ۳۹ر۱ تھا اور ۱۹۳۳ء میں ۲۰ر۴ رہ گیا۔

سب سے دولت مند ملکوں میں زراعتی آبادی کا تناسب سب سے کم ہے۔ مثلاً امریکہ، نیوزی لینڈ، برطانیہ، سوئٹزرلینڈ، اور نیدرلینڈز میں۔ غریب ملکوں میں یہ تناسب سب سے زیادہ ہے۔ مثلاً ہندوستان، ترکی، اور روس میں (سوویٹ نظام سے پہلے بھی یہی حالت تھی)۔

معاشی ترقی میں تین باتیں آتی ہیں۔ (۱) زراعتی آبادی کے تناسب میں کمی۔ (۲) صنعت، تجارت اور دوسرے کاموں والی آبادی کے تناسب میں اضافہ (۳) آمدنی میں اضافہ (۴) معیار زندگی کا بلند ہونا۔ اگر ہم اس رجحان کے خلاف جانا چاہتے ہیں۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم معاشی ترقی نہیں چاہتے اور ہمیں معیار زندگی بلند کرنے کی زیادہ فکر نہیں ہے۔

لیکن ایک ملک میں کوئی صنعت شروع کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تھوڑا یا بہت تھوڑے ہی دن میں کسی اور ملک کے ان لوگوں کے مفاد کو نقصان پہونچتا ہے۔ جو اسی صنعت میں لگے ہوں۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہمارا مقصد خوشحالی میں اضافہ ہے تو ہمیں تھوڑا سا بین الاقوامی جذبہ پیدا کرنا ہوگا۔ تاکہ دوسرے لوگوں کی مصیبتوں کو مصیبتیں سمجھا جائے اور دنیا سے لڑائی جھگڑے، غلط فہمیاں اور افلاس دور ہو سکے۔

اپنے ملک کے معاملات کے بارے میں میری تجویز یہ ہے کہ انگلستان اور ہندوستان کے درمیان تبادلہ خیالات، معلومات جمع کی جائیں، اور*

* صنعت کی ترقی کے بارے میں آپس میں فیصلہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اور راستہ اختیار کیا گیا تو اس سے خوشحالی میں اضافہ نہیں ہوگا۔ بلکہ کمی۔ شا

تبصرہ علی الحرب

کیا مدعیان رہنمائی اقوام خود کے حقیقی رہنما ہیں؟

درحقیقت برسرپیکار اقوام کے لیڈران کیا واقعی اپنی قوم کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ اس وقت چار اشکال دنیا کے سامنے بہت بُری شکل دکھلائی دے رہی ہیں۔

۱۔ ڈاؤننگ سٹریٹ لندن میں۔
۲۔ برحسٹ گیڈن واقع میونک جرمنی میں۔
۳۔ وائٹ ہوس واشنگٹن واقع امریکہ میں۔
۴۔ ٹوکیو دارالخلافہ جاپان میں۔

یہ مشہور ہستیاں جو کہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے دلائل دنیا اور انسانیت کے واقعات کو کیا رنگ دے رہی ہیں؟ کارلائل کے اصولوں پر کاربند رہ کر ان واقعات پر گہری نظر ڈالنے اور خصوصاً کارلائل کے ہیرو (مشاہیر) اور ہیرو ورشپ (مشاہیر پرستی) کے اثر سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ موجودہ جرمنی ہٹلر کا وجود ہے۔ لیکن اس کا جانی دوست ہیں اس کے منصوبہ جات اور فتوحات سے متفق نہیں ہے۔ اور صوبجات متحدہ امریکہ فرنکلین روزویلٹ کی چال پر گامزن ہے۔ اور برٹش گورنمنٹ تعض ونسٹن چرچیل کی رائے کی تقلید میں نازی حکومت کے ہم خیال سر آسفر دموزے جو اس وقت مقید ہیں کے برخلاف چل رہی ہے۔ جرنل توجو وزیراعظم جاپان بہادر سمرائے قوم کا ایک فرد ہے۔ اور جاپان میں رعیت کی گورنمنٹ سے تابعداری اور فرمانبرداری کی مثال دیگر براعظموں کے کسی ملک میں نہیں ملتی۔

یہ درست ہے کہ دولت انگلشیہ۔ صوبجات متحدہ امریکہ جرمنی اور جاپان موجودہ وقت میں چار نہایت عقلمند اشخاص کی رفاقت میں کہ جن ممالک کی نسبت وہ تقاریر کرتے ہیں حسب ذیل مناسبت رکھتے ہیں۔ ان ممالک کی گذشتہ ایک سو سال کی تواریخ [illegible] بات کا ثبوت [illegible] کہ وہ اقوام اور ان کے وزراء کیسے کچھ ہیں؟

ایڈلف ہٹلر جرمنی کے طلبا کی نمائش کے واسطے ایک بے مثال تصویر ہے۔ اس کی ہستی پوٹن قوم کی خواہشات کے بموجب ایک معتبر و مستند تاریخی ہستی ہے۔ اس ہستی کا ظہور مطابق جرمن فضلاء جو کئی سو سال سے ایسی ہستی کے لئے منتظر تھے۔ مطابقت کھاتی ہے۔ اور جرمن قوم کو ایسی بے نظیر ہستی کے جو سادہ پوشی سادہ خوردنی اور بڑے ایثار اور قربانی کا عادی ہو میسر ہونے سے جتنی خوشی بھی ہو کم ہے۔ ۱۹۱۸ء کے بعد تمام قوم جرمن بہ حیثیت فرد واحد کے اپنی گذشتہ لڑائی کے نقصانات کے خیالات کو رفع کر کے اور اپنی شکست خوردہ حالت کو فیروزمندی سے بدلنے کے لئے بہت زور سے چیخ رہی تھی۔ دوران میں ہٹلر بھی بہ حیثیت لیڈر نازی پارٹی بہت زور سے کامیابی کے واسطے گونج رہا تھا۔ اور جرمن قوم کی معمولی دعوتوں میں کبھی جو کہ میونک کے بیر خانوں میں جہاں جرمن قوم کی استعداد کے واسطے گفتگو ہوا کرتی تھی۔ اس کے گیت ہٹلر کے کانوں اور زبان سے نکلا کرتے تھے۔ اور اسی استدعا کے وقت کے مطابق جرمن قوم ہٹلر کو سیاسی سیڑھی پر اونچا کرتی رہی اور جتنا وہ صاحب اقتدار ہوتا گیا۔ اس کی آواز اتنی ہی وزنی ہوتی گئی۔ ہٹلر کی آواز ابتدا میں ایسی زبردست نہیں تھی۔ جیسی کہ مابعد زمانہ میں ہوئی۔ اس کے جانی دشمن یہودی کمیونسٹ اور ریپبلکن

عـــہ آج کل جاپان کا وزیراعظم "ٹیکو سو" ہے (مدیر)

کو سختی سے دھمکایا گیا۔ اور بعض وقت بعض دھمکیاں عمل پذیر بھی ہوئیں اور ابتدا میں کل جرمن قوم کی طرف سے ان پر عمل درآمد شروع ہوا۔ کیونکہ جرمن قوم کی روح فضا میں آہستہ آہستہ اتنی ترقی اس درجہ تک پہونچ گئی۔ کہ انھوں نے اپنے شہ زور پہلوان ہٹلر کو ختم کر لگانے کے وقت پر اعلان دیکھا۔ ان کی فضا بہت خوش شکل نہیں تھی۔ مگر پھر بھی کام کرتی رہی۔ روح جرمنی ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۶ء تک بہت سخت استبداد سے کام لیتی رہی۔ اور جس وقت انھوں نے اپنے وطن میں کسی کو لات مارنے کے واسطے نہ پایا۔ تو انھوں نے غیر سلطنتوں کو لات مارنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ نازی ... اصول، قوم جرمن کا حسب پسند و حسب دلخواہ فارمولا تھا۔ انھوں نے اس فارمولے کا عمل درآمد پہلے پہل آسٹریا اور چیکوسلاویکا پر کیا۔ اور پھر پولینڈ پر شروع کیا۔ اور چونکہ یہ عمل قوم جرمن کو نہایت پسند تھا۔ اس لئے وہ علما جو کہ موجودہ جرمن کی روح سے شناخت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے ہٹلر کا وجود ایک زبردست گواہی ہے۔

ہٹلر کے علاوہ مندرجہ ذیل اشخاص قوم جرمن کے قابل اعتماد اور موجودہ جنگ کے بانی مبانی اور اس جنگ میں ہٹلر کو کامیاب بنانے میں اس کے جسم کے بمنزلہ چشم اور ہاتھ ہیں۔

(۱) گوئرنگ یہ نائب ہٹلر اور کوارٹر ماسٹر جنرل وانچارج تمام کارخانہ جات اسلحہ جرمنی اور افسر اعلیٰ رائل ایر فورس جرمنی ہے

(۲) روزنبرگ۔ تمام تاریخی و جغرافیائی حالات یورپ و ایشیا کا ماہرین سرکردہ و رہنما فلاسفر نازی پارٹی اور عامل واستاد کل "لبنا سرم" جرمنی چاروں طرف سے دشمن کے گھیرے کا عالم کامل۔

(۳) ہملر۔ گسٹاپو یعنی خفیہ پولیس کا افسر اعلیٰ۔

(۴) گوبل چیف پروپگنڈا آفیسر۔

(۵) وان ربن ٹراپ۔ وزیر خارجہ جرمنی۔

(۶) وان براؤچٹک۔ کمانڈر انچیف افواج جرمنی۔

(۷) کائیٹل چیف آف دی جنرل اسٹاف۔

(۸) ایڈمرل وان ریڈر۔ امیر البحر آف دی جرمن نیوی

مندرجہ بالا نامبردگان کے علاوہ دیگر مقربان ہٹلر جو کسی عہدہ پر تعینات نہیں ہیں۔ لیکن صلاح و مشورہ میں بہت مقرب ہیں۔ حسب ذیل ہیں۔

(۱) وان ہلڈر۔ ہٹلر کے تمام نقشہ جنگ کا بنانے والا جس کو بلیو پرنٹ دماغ کا آدمی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ہمیشہ جنگ کے نقشے بلیو پرنٹ پیپر پر بنائے جاتے ہیں۔ جس وقت وان ہلڈر کوئی نقشہ بناتا ہے۔ تو وہ اول روزن برگ کو اپنے ساتھ بٹھا کر اس سے کل واقعات سن کر اپنے آپ کو ایک کمرہ میں بند کر دیتا ہے اور جنرل وان ہلڈر نقشہ بناتے وقت کسی فرد بشر کو بھی اندر نہیں آنے دیتا۔ وہ اکیلا جنگ کے اوقات وقت معین اور افواج کی تعداد و نمبر کہ کونسی کونسی افواج جنگ کے کس کس مقام پر موجود ہونی چاہئیں مفصل فہرست تیار کر دیتا ہے۔ ہٹلر کا یہ خیال ہے۔ کہ اگر وان ہلڈر کا نقشہ جنگ کامیاب نہ ہو سکا۔ تو اس کی غلطی نہ ہوگی۔ بلکہ نقشہ پر عمل کرنے اور کمان کرنے والے جرنیل سے غلطی ہوئی ہوگی۔

(۲) وان پاپن[عله]۔ حال سفیر جرمنی مقیم ترکیہ۔

جاپان میں جنرل ٹوجو جاپان کی روح کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ وہ مع اپنے تمام سرائی قوم کے رسو جاپانیز وار کے بعد ایشیا میں نیا نظام قایم کرنے کے لئے کوشاں تھا۔ چنانچہ ملک جاپان کے سرائی طبقہ کے افسران نے جنگ کی حمایت بوجہ ایزادی نسل قوم جاپان و وسعت مملکت کے نامکمل ہونے پر ایک وزیر کو قتل کیا۔ اور جس وقت شہنشاہ جاپان نے اس معاملہ میں اپیل کے ذریعہ اعلان کیا۔ کہ سرائی افسران کو اپنے کردار پر پشیمان ہوکر معافی مانگنی چاہیئے۔ تو اس کے جواب میں ان تمام افسران نے جو اس قتل میں شامل تھے۔ اپنے آپ کو بذریعہ ہرکاری یعنی خودکشی پیش قبض قتل کیا۔ جاپان ایشیا میں نیا نظام قایم کرنے اور تمام انڈو چائینز اور منگولین یعنی قوم مغل کو اپنے زیر حمایت لینے کی خواہش رکھتا تھا۔ چونکہ جنرل ٹوجو اپنی قوم کی خواہشات کا ایک مجموعہ تصویر ہے۔ اس لئے جاپان اس کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ اور جاپان کی موجودہ سپارٹن وزارت یعنی فوجی وزارت کی لسٹ جس وقت اخباروں میں مشتہر ہوئی۔ میں نے اس وقت بہت سے لوگوں کے سامنے پیشین گوئی کی تھی۔ (باقی آئندہ)

[عله] مضمون موجودہ سیاسی تبدیلیوں سے پہلے کا ہے (مدیر)

لالۂ صحرا

محفلِ صحرا فروزاں ہے مری تنویر سے
روشنی ہے مجھ میں سوزِ درد کی تاثیر سے

یہ مری رنگینیاں بے منتِ گلزار ہیں
سر بسر آزاد ہوں ممنونیٔ تدبیر سے

ریگ زاروں کی ہوا ہوتی ہے جب طوفاں بدوش
سر اٹھاتا ہوں میں کیا کیا جذبۂ تعمیر سے

جب فضائیں گھر گرا کتی ہیں گھٹائیں ریت کی
گرم لو پہ مسکرا دیتا ہوں میں تحقیر سے

گرد باد اٹھتے ہیں مری آبیاری کیلئے
خود بسر آزاد ہوں میں ابر کی تاخیر سے

میں سموم و صرصرِ صحرا سے مرجھاتا نہیں
سچ کہوں صحرا کی عزت ہے مری توقیر سے

گھنٹوں کی لے پہ جب چلتی ہے اونٹوں کی قطار
میں بھی آتا ہوں جہاں پر کھیلتے تقدیر سے

میں جہادِ زندگی سے ہوں جہانِ رنگ و نور
میں وہ ہوں جس کا عمل بیزار ہے تقریر سے

میرے دامن کو نہیں دستِ کرم کی جستجو
میں نہیں واقف کسی گلچیں کی دار و گیر سے

نشۂ خود اعتمادی سے ہے سرشاری مجھے
غیر کی امداد سے لگتے ہیں مجھ پہ تیر سے

سخت جانی سخت کوشی ہے مرا پیغامِ زیست
زندگی کی خاک بنتی ہے اسی اکسیر سے

صرصریں محسوس کرتی ہیں مری موجودگی
فتنے بچ بچ کر نکلتے ہیں مری تعمیر سے

اے مسافر دیکھ خودداری ہے زادِ راہِ عمر
پھر ہلاکت ہے جو یہ شے گم ہوئی رہگیر سے

ہے یقیں دل میں تو کافی ہے خدائے کائنات
یہ کہوں بہتر ہے دنیا کی بڑی زنجیر سے

بے یقینی خود فریبی کا جہنم ہے جلالؔ
آدمی دوزخ کا ایندھن ہے اسی تقصیر سے

(جلال شیرانی)

خطوط

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم۔

مجھے افغان کی تحریک اور اس کے مشن سے دلی ہمدردی ہے۔ اس پرچے کے کالموں میں جو کچھ اب تک شائع ہو چکا ہے اس کا مقصد قوم کے لئے بیحد مفید ہے۔ بشرطیکہ خفتہ بخت قوم کو خود اس کا احساس ہو۔ اس سلسلے میں میں اپنے چند خیالات ضبط تحریر کرتا ہوں۔

بدقسمتی سمجھئے یا خوش قسمتی یا مشیت ایزدی کہ افغان قوم من حیث القوم دنیا کی سیاست (خاصکر مشرق) میں بمقابلہ دیگر اقوام مشرقی بہت تھوڑا حصہ ادا کرنے کا مرتکب رہا ہے۔ اور وہ بھی تھوڑی مدت کے لئے۔ نسل تو بہت پرانی ہے۔ مگر بیچارے زیادہ عرصہ یہ لوگ دوسروں کے آلۂ کار رہے ہیں۔ مگر بہترین اور مفید ترین آلۂ کار رہے ہیں۔ اور اب بھی ایک کافی حد تک دوسروں ہی کے آلۂ کار ہیں۔

انفرادی حیثیت سے ان میں قابل اور نامور مشاہیر کی کمی نہیں رہی۔ نقصان کی بات یہ رہی ہے۔ کہ ان بدبخت (افغانوں) نے اپنے مشاہیر کے زندگیوں میں ان کی باتوں پر کما حقہٗ اور کما ینبغی کان نہ دھرا۔ اور ان کے بعد مرگ ان کے مزاروں پر روضے بنے اور ان کو سراہا۔ حال ہی کے واقعہ کو دیکھئے کہ حضرت سید جمال الدین افغانی ساٹھ ستر سال پہلے اپنے آبائی وطن سے بری طرح سے نکالے گئے تھے۔ ان کی باتوں پر کان دھرنا تو بہت بڑی بات تھی۔ اور اب حال میں پچاس سال کے بعد ان کا جسد اطہر بہت دھوم دھام سے قسطنطنیہ سے افغانستان لایا گیا۔

زمانہ چونکہ کافی کچھ آگے بڑھ چکا ہے۔ اس لئے اگر مناسب معلوم ہو۔ تو ماہنامہ افغان میں یادرفتگان یا مشاہیر افغانان کے عنوان سے فرداً فرداً بعض مشاہیر کے مختصر حالات کم از کم دو صفحوں میں باقاعدہ شائع ہوا کریں۔ تاکہ موجودہ نسل کے افغانوں کو علم تو ہو جائے کہ کن کن قابلیتوں کے انسان گذرے ہیں۔ بھی شاید نوجوان ہمارے کو اپنے انفرادی ہستیوں کی تاریخ کی خبر رہے تو وہ کی۔ مثال کے طور پر چند نام حرف خدمت کرتا ہوں ترتیب زمانی کا خیال نہیں رکھا ہے۔

۱۔ حضرت سید جمال الدین افغانی۔
۲۔ امیر عبدالرحمن خان (افغانستان)
۳۔ محمد اکبر خان پسر کلاں امیر دوست محمد خان امیر افغانستان)
۴۔ احمد شاہ ابدالی۔
۵۔ حضرت میاں محمد عمر صاحب چمکنی متصل شہر پشاور) جو کہ احمد شاہ ابدالی کے پیر و مرشد تھے۔
۶۔ حضرت سید علی ترمذی ثم ابو نیری معروف بہ پیر بابا ئے بونیر۔
۷۔ خوشحال خان خٹک۔ اور اس کی اولاد میں قابل اشخاص۔
۸۔ حضرت شیخ رحمکار (نوشہرہ ضلع پشاور معروف بہ کاکا صاحب
۹۔ میاں شرف یا شاہ شرف ننگرہاری جو کہ صدری علوم کیمیا سیمیا۔ ریمیا سیمیا کے ماہر تھے اور شاعر بھی۔
۱۰۔ مورث اعلائے ریاست گنجپورہ۔
۱۱۔ مورث اعلائے ریاست ممدوٹ (پنجاب) جو کہ حسن زئی افغان تھے۔ اور ان کی قوم کافی تعداد میں اب تک بونیر (بونیر شرقی) ملحق بہ ضلع ہزارہ میں موجود ہے۔
۱۲۔ نواب نجیب الدولہ (جو کہ عمر خیل افغان تھے۔ صوابی مانیری اور دیگر مواضعات میں ان کی برادری بدستور موجود ہے
۱۳۔ نواب امیر خان بانی ریاست ٹونک (سالارزئی افغان تھے۔ اور ان کا آبائی گاؤں موضع جدبہ بدستور پرگنہ سالارزئی علاقہ بونیر میں موجود ہے اس شخص کے حالات بیان کرنے میں پنڈاری کے غیر افغانی نام سے ان کو نجات دلانی چاہئے۔

بدقسمتی سے اپنے ہم عصر مرہٹہ راجاؤں کا آلۂ کار بن کر یہ ذمت آمیز خطاب پایا۔

۱۳۔ موروث اعلائے ریاست بھوپال (بنگش افغان ہیں اور ضلع کوہاٹ میں ان کی قوم کافی تعداد میں موجود ہے۔ اور مرفہ الحال بھی ہیں۔)

۱۴۔ موروث اعلائے ریاست جھاورہ۔ (یوسف زئی افغان ہیں یقینی علم نہیں رکھتا کہ کمال زئی ہیں یا امان زئی مگر یوسف زئی ضرور ہیں۔)

۱۶۔ موروث اعلائے ریاست دوجانہ گدھ (نانا لوحانی لوحانٹری۔ افغان ہیں)

۱۷۔ موروث اعلائے ریاست پالن پور۔

۱۸۔ موروث اعلائے ریاست رادھن پور۔

۱۹۔ موروث اعلائے سابق ریاست ارکاٹ (جنوبی ہند)

۲۰۔ افغان سلاطین جونپور۔

۲۱۔ سلطان بہلول لودھی۔

۲۲۔ فرید خان سوری المعروف بہ شیرشاہ سوری۔

۲۳۔ موروث اعلائے ریاست پاٹودی (پنجاب)

۲۴۔ موروث اعلائے ریاست دوجانہ (پنجاب)

۲۵۔ افغان امرائے ریاست حیدرآباد دکن۔

۲۶۔ سلطان علاؤ الدین خلجی۔

۲۷۔ دیگر صاحب عزم امرائے افغانستان جنہوں نے نادرشاہ ایرانی سے پہلے اور اس کے بعد نہ صرف افغانستان بلکہ ایران پر بھی حکومت کی۔

۲۸۔ موجودہ زمانہ کے افغانوں میں قابل اور نمایاں ہستیاں۔

اس کام کے لئے اگر آپ ڈاکٹر ذاکرحسین خاں صاحب سے مشورہ کرکے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پروفیسران تاریخ پر ذمہ داری ڈالدیں۔ تو زیادہ آسان بات ہوجائے گی۔ وہ لوگ معمولی تلاش اور تھوڑی سی محنت سے یہ کام کرسکیں گے۔

علاوہ بریں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ایک انگریزی بایوگرافیکل ڈکشنری بارہ تیرہ سال سے چھپی ہے۔ موجودہ جنگ سے پہلے تو عام طور پر ملتی تھی۔ اب نایاب ہے۔ مگر جملہ سرکاری کتب خانوں اور یونیورسٹیوں کی لائبریریوں اور دیگر شائقین علم کے ہاں اس کے نسخے موجود ہیں۔ جامعہ ملیہ کے کتب خانہ میں بھی ضرور ہوگی اس کو تلاش کرنے سے بہت سے لوگوں کی (بشمول مشاہیر افغانان) مختصر ہسٹری مل سکتی ہے۔ اگرچہ بعض جگہ مذہبی تعصب کی بنا پر بعض مقدس بزرگوں کے کیرکٹر پر نامعلوم طریقہ سے حملے بھی کئے گئے ہیں۔ مگر بہ حیثیت مجموعی مشاہیر اسلام (بشمول افغانان) کے بابت معلومات بڑھانے کے لئے بہت مفید کتاب ہے۔ اور تھوڑی سی تلاش اور محنت کے ساتھ ماہنامہ افغان کے لئے بہت کچھ مفید مختصر سوانح عمریاں اس میں سے لیکر شائع کی جاسکتی ہیں۔

اس بارے میں مولانا عبدالقادر صاحب بھی اپنے اوقات فرصت میں ماہنامہ کے لئے بہت کچھ مسالہ پیدا کرسکتے ہیں۔ صرف تلاش کی دیر ہوگی۔ اور بس۔

مزید برآں دو اور کتابیں انگریزی میں کئی جلدوں میں موجود ہیں۔ ان میں بھی انگریزی میں لکھا ہوا بہت کچھ افغانوں کے بابت مل سکتا ہے۔ اور کافی کچھ معلومات افغانوں کے متعلق ان کتابوں میں موجود ہیں۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (انگریزی) اور باقی دو کتابیں (جن کا اوپر حوالہ دے چکا ہوں) اگر آپ کبھی وقت فرصت میں مطالعہ فرمایا کریں۔ تو آپ بھی بہت مفید مضامین لکھ سکتے ہیں۔

ہواخواہ صادق (خان) محمد اسلم (خانصاحب) بره خانخیر

افغان مجلس مشاورت کی تجویز بنام نواب ابوالحسن خانصاحب

لدھیانہ۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۴۳ء

عالی قدر خان بہادر صاحب قبلہ۔ السلام علیکم۔

ہندوستان میں مقیم پٹھانوں کے اتحاد و تنظیم کے سلسلہ میں بعض دردمندان ملت کی تحریک پر لدھیانہ میں آج سے تین سال قبل مجلس افغان مشاورت کی داغ بیل ڈالی گئی تھی۔ بحث اور فکر کے بعد قرب و جوار اضلاع پنجاب کے مقتدر افغانوں کو مجلس مشاورت میں دعوت شرکت دی گئی۔ اور اس دعوت پر تقریباً پچاس افراد ملت لدھیانہ میں جمع ہوئے۔ ان کے دیدار سے مسرور ہوتے ہوئے تنظیم ملت کا مسئلہ ان کے سامنے رکھا۔ جملہ شرکائے مجلس نے

اخبار اور نوٹ

۱۰ دسمبر۔ صوبہ سرحد کی کابینہ کے وزرا کا ورود دہلی میں ہوا۔ سردار اورنگزیب خاں وزیر اعظم۔ سردار عبدالرب خاں نشتر۔ خان یامین جان خاں اور راجا عبدالرحمٰن خاں نے اخبارات کے نمائندوں کو بیانات دیئے اور بتایا کہ صوبہ سرحد کی کابینہ متحد اور چٹان کی طرح قائم ہے۔ اور وہ صوبہ کی بہتری مالی درستی اور امن کے متعلق یکجہتی سے پیہم سعی کر رہی ہے۔ دہلی کے قیام میں متعدد بار تمام وزرا اکٹھے قائد اعظم محمد علی جناح سے ملاقی ہوئے اور اپنے صوبائی معاملات سے ان کو آگاہ کیا۔ اور ان سے شورہ حاصل کیا۔ اسی دوران میں وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ (اوکھلا) کو دیکھنے کیلئے گئے۔ جہاں پر ان کا استقبال ہوا۔ اور ان کو جامعہ کی عمارات۔ ٹریننگ کالج دکھائے گئے اور سٹاف سے متعارف کرایا گیا۔ وزرا کابینہ نے ایک بیان بھی شائع کیا۔ جس میں بتایا ہے کہ موجودہ گورنمنٹ نے اپنے صوبے کی بہتری کے لئے کیا کچھ کیا ہے۔ اس پر تفصیلاً آئندہ اشاعت میں لکھا جائے گا۔

۱۲ دسمبر۔ قاہرہ میں منعقدہ عرب خواتین کی کانفرنس نے تجویز پاس کی ہے کہ شرق وسطیٰ کی خواتین زندگی کے ہر شعبہ میں مرد و زن کے برابر حقوق چاہتی ہیں۔ مصری عورتوں کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بتایا گیا کہ ان کو ۱۹۲۵ء تک ان کے تمام حقوق حاصل ہو جائیں گے۔ (محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی)

۱۶ دسمبر۔ دو یوسف زئی افغانوں کی بڑی بہادری کا حال محاذ اراکان (برما) اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ مگر پوری تفصیل تا حال نہیں دی گئی۔

۲۰ دسمبر۔ نواب محمد ابراہیم علی خاں صاحب رئیس کنجپورہ جہاز منصور سے حج مکہ معظمہ کر کے واپس کنجپورہ تشریف لے آئے ہیں۔ وہاں پر ان کے اعزا۔ برادری اور اہل قصبہ نے ان کا استقبال کیا اور خیرات تقسیم کی گئی۔

امداد اور شکریہ

(۱) خان محمد شاہ عالم خانصاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل بی۔ (علیگ) ڈائرکٹر محکمہ تعلیم نے مبلغ ۵ روپے بغرض اجرا تین پرچہ "افغان" ماہوار کے لئے ارسال فرمائے ہیں۔ اس میں سے ایک پرچہ وہ اپنے لئے رکھیں گے باقی دو ہر ماہ بغرض نشر "افغان" کے لئے وہ اپنے حلقہ صوبہ سرحد میں تقسیم کیا کریں گے۔ جزاکم اللہ

(۲) خان محمد یونس خانصاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل بی علیگ سکریٹری پشاور سٹی میونسپلٹی نے شہر کے تین ریڈنگ روموں کے لئے "افغان" کے تین پرچہ ماہوار طلب فرمائے ہیں۔ جزاکم اللہ۔

(۳) سردار احمد یعقوب خانصاحب بی اے۔ ایل۔ ایل بی لدھیانہ نے افغان کو آپریٹو سوسائٹی لدھیانہ کے لئے افغان جاری کرایا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں بہت عمدہ اور قابل تقلید شایں ہیں

تجارت

خوشی کا مقام ہے کہ دہلی میں افغانوں کے دو نئے کاروباری کام جاری ہوئے ہیں۔

(۱) پختون ہوا۔ (افغانوں کی طرف) بارہ ٹوٹی صدر بازار۔ یہ جنرل کمیشن ایجنٹ کی دوکان ہے۔ یہ مولانا عبدالقادر خانصاحب اور ان کے شرکا نے جاری کی ہے۔

(۲) فرنٹیئر ڈیری فارم۔ سبزی منڈی۔ دہلی یہ خان محمد اسلم خانصاحب اور ان کے برادران نے جاری کی ہے۔ اس میں آپ لوگ خود کام کرتے ہیں۔

نئے سال کے خطابات

فوجی

ایم - بی - ای - میجر عباس خان بہادر - او بی آئی - آر آئی اے ایس سی۔

برٹش ایمپائر میڈل ملٹری ڈویژن نمبر ۲۹ یومن آف گمنا بیاب خان رائل انڈین نیوی ایم پی نمبر ۲۲ نائک نظر خاں سی ایم پی (آئی)

ہندوستانی تہری دیگر اعزاز و خطاب

سی آئی ای - خان خورشید احمد خاں صاحب سابق چیف کمشنر اجمیر مارواڑ۔

او - بی - ای - نصیر احمد صاحب ڈپٹی کمشنر شاہ پور - پنجاب۔

خان بہادر خواجہ عبداللہ خاں ایڈیشنل چیف کنٹرولر محکمہ سپلائی حکومت ہند۔

برٹش امپائر میڈل خلیفہ غلام محی الدین صاحب پولیٹیکل محرر جنوبی وزیرستان ایجنسی۔

جمعدار جابر خانصاحب جمعدار سکینڈ محسود سکاوٹس۔

خان بہادر - خانصاحب جی ایم خانصاحب ایڈوکیٹ و آنریری اسسٹنٹ ریکروٹنگ افسر فتحپور - ایم اے خانصاحب ڈپٹی کلکٹر کھیڑی - خانصاحب اے آر خانصاحب ای اے سی ریٹائرڈ امرد آنی خانصاحب جی آر خاں صاحب بیرسٹر مانسہرہ ضلع ہزارہ - خانصاحب اے آر خانصاحب چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ مردان - خانصاحب بی اے اللہ داد خاں صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس سکھر - خانصاحب اے آر خاں صاحب ممبر گورنمنٹ لیجسلیٹو کونسل کیدرگ۔

خان صاحب - منشی ایم اے خاں صاحب انسپکٹر پولیس سہارنپور منشی بیگ خاں صاحب سابق سپرنٹنڈنٹ ایگریکلچر سہارن پور۔ ۴۴۴

ایم عباس خانصاحب پولیٹیکل ایجنٹ خیبر - سردار اسد کے صاحب سردزئی - ڈیرہ اسمٰعیل خاں - ملک اے ایم خان ملک محمد اقبال وزیر بنوں۔ خاں ایس اے خان صاحب - مردان - خان جی ایم خان صاحب اسسٹنٹ پولیٹیکل ملاکنڈ - صوبیدار میجر محمد رفیق خان صاحب آدم خیل آفریدی فخرالدین خانصاحب راجپور - کپتان سعادت علی خانصاحب کلکتہ۔

میرٹھ افغان گزٹ

۱- صاحبزادہ خورشید احمد خاں آئی سی ایس سابق چیف کمشنر اجمیر مارواڑ بدل کر کمشنر جھانسی ڈویژن ہو کر گئے ہیں۔ آپ کو سی آئی ای کا خطاب بھی ملا ہے۔

۲- نواب زادہ محمد یعقوب خان پی سی ایس مجسٹریٹ لدھیانہ سے بدل کر کیمل پور پنجاب گئے ہیں۔

۳- خان بہادر فیض محمد خاں پی - سی - ایس ڈپٹی کمشنر ماہ نومبر سے پنشن پر چلے گئے ہیں۔

۴- خان محمد عنایت اللہ خان آئی سی ایس ڈائرکٹر سول سپلائز پنجاب مقرر ہوئے ہیں۔

۵- خان بہادر مسعود علی خان ایڈیشنل کلکٹر و ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لکھیم پور کھیری یو - پی مقرر ہوئے ہیں۔

۶- ڈاکٹر شفاعت احمد خاں جنوبی افریقہ کی ہائی کمشنری کی کرکے ہندوستان واپس آرہے ہیں۔

۷- ڈاکٹر ثناء اللہ خاں اسسٹنٹ میڈیکل افسر مظفر نگر مقرر ہوئے ہیں۔

۴۴۴

قابل توجہ قارئین افغان

برادران محترم! اسلام علیکم۔

"افغان" جو دہلی سے جاری ہو رہا ہے۔ اتحاد افغان لدھیانہ کا جانشین ہے۔ اس کی متعدد اشاعتیں آپ کے ملاحظہ سے گزر چکی ہیں جس کے ذریعہ یقین ہے۔ کہ آپ اس کے مقصد اجرا اور اس کی پالیسی سے پوری واقفیت حاصل کر چکے ہیں۔ اس لئے ہمارا مقصد زرکشی نہیں بلکہ تعاون بین الافغان و اصلاح ہے۔ دونوں یقینی تدارک ضرور ہیں یقین ہے کہ آپ کو اس کے ان مقاصد سے اتفاق ہوگا۔

لہذا استدعا ہے کہ آپ اس کو شرف سرپرستی و خریداری بخشیں۔ اور اس کو اپنی برادری اور اپنے افغان احباب سے متعارف کرائیں۔ افغان کی کامیابی کا آپکی توجہ اور تعاون پر انحصار ہے۔ آپ کی اجازت موصول ہونے پر وی پی ارسال کیا جائے گا۔

(ایڈیٹر)

قدرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی — یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

رسالہ

افغان

دہلی

جلد ۱۱ — بابت ماہ فروری ۱۹۴۵ء — نمبر ۲

محراب گل افغان کے افکار (۱۲)

لادینی و لاطینی کس پیچ میں الجھا تو
دارو ہے ضعیفوں کی لا غالب الا ھو

صیاد معانی کو یورپ سے ہے نومیدی
دلکش ہے فضا لیکن بے نافہ تمام آہو

بے اشک سحر گاہی تقویم خودی مشکل
یہ لالۂ پیکانی خوشتر ہے کنار جو

صیاد ہے کافر کا نخچیر ہے مومن کا
یہ دیر کہن یعنی بت خانۂ رنگ و بو

اے شیخ امیروں کو مسجد سے نکلوا دے
ہے ان کی نمازوں سے محراب ترش ابرو

(علامہ اقبالؒ)

ترسیل زر کا پتہ:- لودھی اینڈ کمپنی - بازار فتحپوری چاندنی چوک دہلی

(سردار محمد حیات خاں سلیمانی نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا)

حیات کا نصب العین

زندگی ایک مستقل حرکت اور مسلسل کشمکش کا نام ہے۔ جب یہ حرکت اور اضطراب جسم سے خارج ہو چکتے ہیں۔ تو وہ جمود اور خاموشی موت ہے۔ وہی ہستیاں کامیاب ہیں جو اس حرکت سے زندگی کی کشمکش میں سودمند نتائج حاصل کرنے کی متمنی ہوتی ہیں۔ اور کسی مقصد کے تحت اپنے ذہن و جوارح کو پیہم سرگرم عمل رکھتے ہیں۔ ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت سے نہ نوری ہے نہ ناری ہے (اقبال)

حرکت فی الحیات کا مقصود "وحدت فی الحیات" ہے جو افراد اور قوموں کو مقاصد کے قریب لے جاتی ہے۔ دونوں مل جل کر تمام مساعی اور عملی سرگرمیوں کا اساس بن جاتی ہیں۔ اور اپنے پیرو کار اشخاص کو کامیابی سے ہمکنار کرتی ہیں۔ مگر حرکت دل تبھی کامیاب ہو سکتے ہیں جب وہ صحیح ذہنی و دماغی خلش و تمنا کے تحت کام کریں۔ ذہن اور عمل کی مطابقت سے مقصود زندگی قایم ہو کر نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ اور زندگی کا نصب العین بنتا ہے اور قرار پاتا ہے۔ بدون نصب العین کے حیات انسانی ایک گم گشتہ اختر اور جسمانی قوت کو ضائع کرنے والی کشمکش ہو کر رہ جاتی ہے۔ آج کل ہم اس دوسری حالت میں مبتلا ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا کوئی حیات فی الارض کیلئے نصب العین نہیں۔ یہ نہیں کہ ہم کو پہلے بھی نصب العین حاصل نہ تھا۔ بلکہ نہ صرف ماضی میں وہ تو حال میں بھی ثابت و موجود ہے۔ یعنی اپنی وراثت کی چیز کو خود اپنے ہاتھوں گنوا دیا ہے۔ ہم خود فراموشی میں اس کی پکار پر کان نہیں دھرتے۔ وہ کیا چیز ہے۔ جس کی روگردانی سے ہم اس ذلیل حالت کو پہونچے ہیں۔ یہ وہ آسمانی صحیفہ ہے۔ جس کو باوجود دعویان کے ہر مسلمان "قرآن شریف" کو پورے احترام سے کہتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس کے پیش کردہ نصب العین پر عامل نہیں ہوتا۔

"قرآن پیش خود آئینہ آویز"

فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ بیشک اللہ کی زمین صالح بندوں کی میراث ہے۔ صالح بندے وہ ہیں صالح عمل کریں۔ اور صالح عمل وہ ہے جو حیات انسانی کے فروغ کا باعث ہو۔ اور قافلہ حیات آگے بڑھے۔ میراث فرزندوں اور وارثوں کو ملتی ہے۔ لیکن زمین و حکومت کی میراث ہمیشہ خالص وراثت پر نہیں جاتی۔ تاریخ شاہد ہے۔ کہ یہ میراث صلاحیت اور اہلیت کا مالک اپنے لئے خود حاصل کرتا ہے۔ اور یہ نسبی وراثت اس وقت تک قایم رہتی ہے۔ جب تک آنیوالی نسلوں میں اس پر برقرار رہنے کی صلاحیت ہے۔ ورنہ پھر یہ پیش کردار کے حامل اور فکر و تسخیر کے شہسوار کی تلاش کرتی ہے جن صفات کے بدون تقادیر کے راز کا کھلنا ممکن نہیں۔

جوشش کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز

آؤ اب اس ذلیل حالت میں جائزہ لیں کہ ہم نے اس میراث کو کیسے گنوایا۔ اور ہم خالق اکبر کے اس عطیہ سے جس کو اس نے ہمیں کس شان و افراط سے دیا تھا۔ کس طرح محروم اور تہیدامال ہو گئے۔ جدہر دیکھئے حرماں نصیبی ہمارے ماتھوں پر گھورتی ہے۔ کیونکہ ہم نے نظام عالم کے اصول حرکت۔ فکر اور ارادہ تسخیر کے نسخہ کو ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ ہم میں اسلامی داغ بیل اور منزل مقصود پر گامزن ہونے کی صلاحیت نہ رہی۔ ہم نے ابتدائی منازل کو اپنا مقام اور انتہا تصور کر لیا۔ حالانکہ ہمارا مقام و مقصود دسرحد ادراک سے بھی دور اور آگے ہے۔ ہر منزل سے گزر کر ہمکو آگے مقام لینا چاہئے تھا۔ کہ ہم چشمۂ حیات کے قریب ہوتے اور سیراب ہو کر حیات جاوید حاصل کرتے۔ ہمارا مطمح نظر کلام اللہ کی ربانی تعلیم کے مطابق ہر حالت میں اللہ کی سرزمین پر اللہ کی حکومت قایم کرنا متعین ہوا تھا۔ مگر اللہ کی اس مملکت پر ہم نے اپنی اور اپنوں کی حکومتیں اور مملکتیں بنالیں۔ اور نفسانیت و حرص کے باعث خودکشی اور

افاغنہ صوبہ یوپی اور ہم

"افغان" کو اس کی نشاط ثانیہ میں لدھیانہ سے دہلی اس غرض کے لئے منتقل اور مرکوز کیا گیا تھا کہ اس صدر مقام کے جغرافیائی اور مرکزی محل و قوع کے باعث اس قومی آرگن کی پہنچ صوبہ سرحد سے بنگال تک اور کشمیر سے کرناٹک و حیدر آباد تک ہو سکے گی۔ اس مقصد میں کامیابی ہوئی مگر وہ ہماری توقعات کے مطابق اور تسلی بخش نہیں۔ یاس اور مایوسی کے عالم میں ہمارے لئے یہ فال نیک ہے۔ کہ اسی شمارہ میں ہم خان شوکت علی خانصاحب ایم ایل سی رئیس کنارسی ضلع بلند شہر یو۔پی، کا مکتوب شائع کر رہے ہیں۔ جس سے ہمارے مقاصد کی تائید اور "افغان" کی امداد اور اشاعتی ترقی کا دعدہ صاحب موصوف فرماتے ہیں۔

صوبہ شمال مغربی سرحدی صوبہ آگرہ و اودھ میں افغانوں کی کثیر و متعدد تعداد آباد ہے۔ شرق میں جونپور اور غازی پور میں افغان اودھ میں غوری اور محمد زئی افغان اور شمال مغرب میں روہیلے یوسف زئی، بنگش۔ کاکور محمد زئی۔ جنوب میں ترانی و ترین افغان بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ اور ان میں بڑے بڑے زمیندار ہیں جن کی تعداد اس قدر ہے کہ فرداً فرداً انکا ذکر کرنا افغانوں کی ایک ضخیم تاریخ مرتب کرنے کا عزم کرنا ہے۔ ان کے سلف صالحین نے محمود غزنوی کے زمانے سے لے کر اٹھارویں صدی تک غزوات اور ایسے ایسے کارہائے نمایاں کئے ہیں کہ اسلامی تاریخ کے اوراق ان سے مزین ہیں۔ اور وہ حرارت پیدا کرنے والی داستان دیرودزہ ہے۔ ۱۸۶۱ء میں پانی پت کے معرکہ جسے تاریخ میں پانی پت کی تیسری لڑائی کہتے ہیں کے سر فتح پر روہیلا سرداران اور یو۔پی کے دیگر افغانان نے غازی احمد شاہ ابدالی کے پرچم کے نیچے جو کارہائے نمایاں کئے اور جن کی تیغ خارہ شگاف سے مرہٹوں کی صفیں پاش پاش و خاشاک ہوگئیں وہ اسی صوبہ کے متعدد و موجودہ افغان خاندانوں کے بانی و اسلاف تھے۔ یہ خلاف تردید حقیقت ہے کہ اگر پانی پت کے معرکہ میں مرہٹوں کا یہ حشر نہ ہوتا تو ہندوستان کی تاریخ اٹھارویں

وانیسویں صدی میں موجودہ تاریخ سے بالکل مختلف ہوتی۔ اور مسلمان تو اسپین کی طرح ہندوستان میں ہی بالکل ختم ہو چکتے۔ اسلامیان ہند پر اور افاغنہ یو۔پی کے اسلاف کا معرکہ پانی پت کی فتح سے وہ عظیم الشان احسان ہے کہ اس کو بھلایا نہیں جا سکتا۔

گردش وقت دیکھئے کہ مین اسی واقعہ کے اہی افغان جانبازوں کی اولاد جمود میں دب جاتی ہے۔ نجیب الدولہ کی اولاد میں ان کا نام برقرار رکھنے والا پھر پیدا نہ ہوا۔ حافظ رحمت خاں اپنے سابق حلیف شجاع الدولہ والئی اودھ کی خصومت کے باعث جنگ روہیلا میں عین میدان میں کام آئے۔ اور پھر بریلی اور پتھر گڈھ میں ان کے فیضان کا چراغ ایسا گل ہوا کہ ان کے بعد اس عظمت اور سعادت کو برقرار رکھنے والا کوئی پیدا نہوا۔ اگرچہ الحمد للہ اب اس دنیاوی جد وجہد میں ان کے خاندانوں کی چند کامیاب ہستیاں نظر آتی ہیں۔ ہم متعجب ہوتے ہیں کہ اس تاریخی پس منظر کے باوصف ہمارے نہایت بیضرر تعارفی و تعلقی مقصد و مشن کی تائید میں ان میں سے بہت کم حضرات نے اقدام فرمایا ہے۔ حالانکہ شروع سے ہم نے ان کے اسلاف کے کارناموں اور ان کی اپنی شہرت کے باعث ان کے پتے حاصل کر کے مسلسل کئی سال سے تعلق پیدا کرنے کی سعی جاری رکھی ہے۔ مگر ابتک اسی مقصد میں ہم دور نہیں جا سکے۔

سابق میں علی گڈھ سے ہمارے مقصد کے ایک اعلیٰ مونس حامی بزرگ افغان صاحب نے بسبیل تذکرہ یہ فرمایا تھا۔ کہ یو۔پی میں "افغان" کی خریداری کم ہے اور وہاں کے اہل قلم حضرات کے مضامین و حالات اس میں کم شائع ہوتے ہیں۔ اپنی خوش عقیدگی کے باعث اب تک ہمارا رجحان بلا کم و کاست قایم ہے۔ مہینوں معلوم پتوں پر پرچے روانہ کئے جاتے ہیں۔ مگر افغان کے ظہور۔ اس کے قومی کام و خدمت کا خیر مقدم و تائید تو کجا۔ اتنا بھی نہیں لکھتے کہ صاحب کیوں کاغذ اور ڈاک کا خرچہ برداشت کر کے زیر بار ہوتے ہو۔ کثیر التعداد حضرات افاغنہ ہر قسم کی مالی و علمی

تہذیبی اور تمدنی تعلق

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ تہذیب اقوام کے پیدا ہونے اور بننے کی مختلف وجوہ ہیں۔ مگر اسلامی تہذیب ایک عظیم الشان و عالمگیر نفس کی تعلیم عمل و نمونہ زندگی سے وجود میں آئی اور اس اسوۂ حسنہ کی پیروی و تقلید سے مسلمانوں کی زندگی میں ایک عالمگیر روحانی و اخلاقی انقلاب پیدا ہوا۔ اور مشرق سے مغرب تک انھوں نے ایک خاص معاشرتی۔ تہذیبی و تمدنی قانون کے تابع طریق زندگی اختیار کیا۔ اور ان کا طریق زندگی ایک خاص معیار امتیاز رکھتا ہے جس میں باوجود ملک، آب وہوا۔ طول بلد و عرض بلد ایک نمایاں یکسانیت نظر آتی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ حدود ارضی کی کیفیات کی پابند نہیں ہے۔

زمانہ قدیم میں تہذیبی و تمدنی اثرات زیادہ تر مقامی یا ملکی ہوتے تھے۔ چونکہ سامان سفر و رسائل اس قدر کم رفتار اور محدود ہوتے تھے۔ کہ سفر میں بے حد مشکل تھا۔ لہذا ایک ملک کی تہذیب اسی کی حدود سے گذر کر دوسرے ممالک تک نہیں پہونچ سکتی تھی۔ مگر تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تہذیبی اثرات باوجود ہر قسم کی مذکورہ مشکلات کے قدیم زمانہ میں بھی ایک ملک سے دوسرے ملکوں میں پھیلے۔ اور اس طرح اپنے دوسرے ممالک کی تہذیبیں متاثر و مستفید ہوئیں۔ اس میں دو ذرائع کارفرما نظر آتے ہیں۔ اول مذہبی تبلیغ و تعلیم اور دوم جوع الارض کی خاطر ممالک و اقوام میں باہمی لشکرکشی، تصادم و تسخیر۔ مذہبی تبلیغ و تعلیم کا اثر دل و دماغ پر ہوا۔ اور قبضہ و تسلط جو مفتوحہ اقوام میں کمینہ ذہنیت پیدا کر دیتے ہیں کے باعث حکمران کی تہذیب محکوم کی زندگی میں مرتسم ہو گئی۔ مذہبی تحریکات دنیا میں قرن قرن میں ہوتی رہی ہیں۔ اور ان کے اثرات ممالک میں آج تک قائم و ظاہر ہیں۔ لشکرکشی اور تسلط کے ذریعہ تہذیب کا فروغ و نشر تاریخی واقعات سے ثابت ہوتا ہے۔ سکندر اعظم نے یونان سے نکل کر اول مصر اور پھر ایشیا پر لشکر کشی اور فتوحات کیں اور جن کا سیلاب دریائے بیاس تک خود ہندوستان میں پہونچا۔ اس کے اثرات تاریخ میں خاص نمایاں تھے۔ اور ہندوستان میں یونانی تہذیب و تمدن کی ایک جھلک باقی رہ گئی تھی۔ مورخین کا خیال ہے کہ بت پرستی کو سرزمین ہند میں فروغ سکندر اعظم کی اس تاریخی مہم سے ہوا۔ اور سنگتراشی اور بتوں کی مصوری اسی تاریخی واقعہ کا ترکہ ہے۔ اسی طرح چنگیز خاں و ہلاکو خاں کی مہمات و فتوحات نے قرون وسطیٰ میں اپنا اثر دکھایا۔ ان کی مہمات سے اسلامی سلطنتوں کو سخت نقصان پہونچا تھا۔ مگر پچاس سالہ تصادم اور میل جول کا ایسا مذہبی۔ تہذیبی اور تمدنی اثر ہوا۔ کہ خود فاتحوں کی نسلیں مشرف باسلام ہوئیں۔ تاتاری نسل کا پہلا حکمران جس نے اسلام قبول کیا تھا۔ وہ نیکودار اوغلال تھا۔ اور ان کا اسلامی نام احمد خاں رکھا۔ اس نے فاطمی خلیفہ مصر و دیگر مسلمان بادشاہوں کے ساتھ تعلقات و معاہدات کئے۔ بادشاہ احمد خاں کے مسلمان ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاتاری جوق جوق اسلام قبول کرنے لگے یہاں تک کہ قبلائی خاں کے پوتے انندہ سلطان چوچیا کا حاکم تھا۔ اس نے بھی اپنی ڈیڑھ لاکھ فوج کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ اور شب و روز عبادت میں بسر کرنے لگا۔ ملاحظہ ہو کہ کس طرح اسلامی حکومتوں کے تباہ کار و حریف خود حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں جن کی تمام جنگی اور انتظامی صلاحیتیں اسلام کی سرفرازی اور سربلندی کی کوششوں میں صرف ہوتی ہیں۔ اس واقعہ کا نقشہ علامہ اقبال نے کیا سچ اور خوب کھینچا ہے۔

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں بن گئے کعبہ کے صنم خانہ سے

انہی کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی گرد نے ہماری تہذیب کو یورپ کے مرکزوں تک پہونچایا۔ اور ان کے جذبۂ اسلامی نے ان کو کعبہ کی

پاسبانی کا شرف بخشا۔

اب حالات بدل چکے ہیں۔ جدید سائنس نے انسانی روابط میں اضافہ کردیا ہے۔ اور مختلف اقوام کے درمیان سے زمان و مکان کے فصل کو تقریباً مٹا ہی دیا ہے جس کا اثر یہ ہو رہا ہے۔ کہ بین الاقوامی تہذیبی و تمدنی تعلقات بڑی سرعت کے ساتھ متاثر ہو رہے ہیں۔ دنیا میں یورپ کی سیاسی برتری کے باعث یورپی و امریکی تہذیب و تمدن بذریعہ ملک گیری ہمعری سہولتوں۔ ریڈیو۔ فلم۔ اخبارات و پریس کے محکوم اقوام پر ایسا گہرا اثر پڑا ہے۔ کہ اب ہر ایک ان میں سے مغربی تہذیب کے نمونہ پر اپنی تہذیب و تمدن کی تشکیل کر رہے ہیں۔ اس کیفیت سے خود مختار اسلامی ممالک بھی غیر متاثر نہیں۔ بلکہ وہ ہم ہندوستانی مسلمانوں سے بھی چار قدم آگے بڑھ گئے جسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ درحقیقت ان کی خود مختاری و آزادی برائے نام ہی ہے دوسروں کی محکوم ہوکر یہ حالت ہوئی ہے۔ مگر انھوں نے اپنی آزاد حالت میں خود اپنی اسلامی تہذیب سے منافرت برت کے اپنے ذہن کو پست اور بے فائدہ بنا کر اپنی بہتر اسلامی تہذیب کے مقابل کمتر یورپی تہذیب کو اپنے لئے اختیار کر لیا۔ اس قسم کی تہذیبی و تمدنی تبدیلی جو دوسروں کے تعلقات و میل جول سے ہم مسلمانوں میں ہو رہی ہے۔ یہ ہماری تاریخ میں ایک بڑا نادر واقعہ ہے۔ اس کے اثرات خراب ہیں۔ کیونکہ تہذیب و تمدن کے ساتھ قومیت بھی مٹ جاتی ہے۔ ہر خیر اندیش مذہب و قوم کا فرض ہے کہ وہ اس کی اصلاح کو اپنا فرض سمجھے۔

دفتر خارجہ حکومت انگلستان نے یہ طریقہ اچھا اختیار کیا کہ دوران جنگ میں اب تک دیگر ممالک کے متعدد تہذیبی وفود (کلچرل مشن) ہندوستان میں مدعو کرنے کا انتظام کیا۔ جہاں تک ہم مسلمانوں کا تعلق ہے۔ ان میں سے ترکی اور ایرانی وفود خاصکر اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اپنی اپنی دفعہ میں وہ ہندوستان کے حالات کا مطالعہ کریں۔ اس طرح انھوں نے ہم کو دیکھا اور ہم نے ان کو۔ مسلمانوں نے اکثر مقامات پر ان کے خیر مقدم کا بڑی گرمجوشی سے انتظام کیا۔ مگر مایوسیاں نصیب ہوئیں سچ پوچھو تو وہ نہ ہم مسلمانوں کو ہماری حالت میں دیکھ کر خوش ہوئے اور نہ ہم ان کو دیکھکر۔ دونوں وفود کے دورہ سیر ہند میں ایسے واقعات پیش آئے جو مایوس کن تھے۔ ساشکال و اقوال سے مغایرت ٹپکتی تھی۔ اعمال سے اخوت اسلامی اور تہذیب قومی نہ صرف کم بلکہ قطعاً غائب۔ اس بات پر خاصکر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ ہم کو ان وفود کے اشخاص کو دیکھنے اور ملنے سے یہ ظاہر ہوا ہے۔ کہ خود اسلامی ممالک کے مسلمان اپنی مخصوص مذہبی تہذیب اور اس سے پیدا ہونے والے تمدن کو فراموش کر چکے ہیں۔ وہ عالمگیر خصوصیات جو ہماری مذہبی تہذیب میں ہیں۔ اب وہ اس ناسوتی تہذیب کے سامنے مٹتی جا رہی ہیں۔ گویا یوں کہئے کہ ان میں مقابلہ کی طاقت نہیں رہی۔ اگر ہمارے زمانہ میں ہماری اسلامی تہذیب کا یہ حشر ہوا۔ تو مسلمانوں کی قومی تاریخ میں یہ ایک سانحہ عظیم ہوگا۔

افغانستان سے بھی ایک فوجی وفد ہندوستانیوں کی چھاؤنیوں میں دورہ کرکے واپس اپنے ملک کو چلا گیا ہے۔ اس کے سردار لفٹننٹ جنرل سردار محمد عمر خاں تھے۔ فوجی مشن ہونے کے باعث اس وفد کی نوعیت دوسری تھی۔ پبلک سے ان کا تعلق نہیں ہوا۔ مگر پھر بھی ہندوستان کے مسلمانوں نے چند مقامات پر ان کو دیکھا اور ممبران وفد نے ان کو دیکھا۔ اگر ممبران وفد مسلم افغانستان کی تہذیب و تمدن کا نمونہ تھے۔ تو وہ بھی خوش کن نہیں۔ بلکہ افغانستان کو مغرب و امریکہ کے ممالک سے براہ راست تہذیبی و تمدنی تعلق رکھنے کا کم موقع ملا ہے۔ اس کے مذہبی ملکی اور تاریخی حالات کا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی تہذیب و تمدن کا اس پرآشوب دور میں وہ پاسبان ہو اور دنیا کے سامنے قرآن کی تعلیم۔ رسول کے اسوۂ حسنہ۔ اپنی تاریخ اور علامہ جمال الدین افغانی کی تحریک اسلامی کی روشنی میں اسلامی تہذیب و تمدن کا وہ نمونہ پیش کرے کہ اس دور میں وہ اپنی مثال آپ ہو۔

بقیہ صفحہ (۴) دولت سے مالا مال ہیں۔ مگر "افغان" کی مالی امداد و زمانہ میں اس قدر کوتاہی اور خست ہے کہ موجب افسوس ہے۔ زیادہ تر اس وجہ سے کہ یہ حالت خود ان کی تاریخی روایات کے خلاف ہے۔ چونکہ ہندوستان میں کوئی نئی تحریک ایسی نہیں ہوئی جس میں افاغنہ یو۔پی کے سلف پیش پیش نہ رہے ہوں۔ اس پر اپنے فلاحی اور تعارفی مقصد سے یہ غفلت۔ کس کا گلہ اور شکوہ اپنوں کی شکایت ہے۔ ان کی بے توجہی ہم اپنی محرومی کے مترادف خیال کرتے ہیں۔ ؎

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
ہم کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

وفاقِ عرب

(از عبدالرحمن صاحب صدیقی)

عبدالرحمن صاحب صدیقی سندھی ایم اے۔ ایل۔ ایل بی علیگ بارایٹ لا صحافتی اور تجارتی دنیا میں ایک مشہور مسلمان ہیں۔ آپ علیگڈھ کے قابل فخر سپوت ہیں۔ جنگ بلقان میں آپ ڈاکٹر انصاری کے مشن میں بحیثیت منیجر مشن اپنے ممتاز رفقا محمد شعیب صاحب قریشی اور خلیق الزماں صاحب کے ساتھ گئے تھے۔ پھر آپ اور خلیق الزماں صاحب فلسطین شام۔ لبنان۔ ترکی۔ انگلستان اور امریکہ میں ہندی مسلمانوں کی معاملات کے متعلق نشر و اشاعت کیلئے مسلم لیگ کی جانب سے گئی تھی آپکو دنیائے اسلام کی تاریخ اور موجودہ حالات سے کما حقہٗ واقفیت ہے۔ مارننگ نیوز روزانہ انگریزی اخبار کلکتہ آپکی اپنی علمی اور تجارتی کاوشوں کا مرقع ہے۔ خود مضمون سے آپکی معلومات اور خیالات کی پختگی پورے طور پر واضح ہے۔ آپکا یہ مضمون انگریزی اخبار ڈان میں شائع ہو چکا ہے۔

سنون میلادیہ کی انیسویں صدی کے آخری پچاس برس اور بیسویں کے پچیس میں عالم اسلام جس طرح تباہ و برباد ہوا۔ اس کی نظیر یا تو ہلاکو کے بغداد کے حملے اور خلافت بنو عباس کی بربادی میں یا اندلس کے آخری مسلم حاکم ابو عبداللہ کے غرناطہ سے خروج میں ملتی ہے۔ دہلی میں چراغ تیموری گل ہو گیا۔ وسط ایشیا (ASIA) میں روسی اثر نہ صرف قدم بقدم بلکہ میلوں میل بڑھتا چلا گیا۔ یورپ میں قفقاز، کرم، آزوف اور قوبان نکل گئے۔ اور مصطفیٰ کو پریلی پاشا کے وینیا (VIENNA) کے محاصرے کی ناکامیابی نے خاندان آل عثمان کے اردبائی مکان کے جو دروازے دشمنان اسلام کے لئے کھول دیئے تھے۔ وہ ۱۹۱۸ء تک برابر کھلے رہے۔ یکے بعد دیگرے رومیلیا۔ دوبروجہ۔ بلغارستان۔ سربستان۔ آبانیا۔ یونانستان اور ۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء کی جنگ کے بعد مقدونیا ترکوں کے ہاتھ سے چھن گئے۔ یورپ میں اب ان کے پاس استانبول اور اس کے محافظ پناہ کے قلعے اور ان کے عقب میں براعظم یورپ میں عثمانی سلاطین کا پہلا پایہ تخت ادیرنہ (ADRIAN OPLE) رہ گئے ہیں۔ اسی زمانے میں فرانس کی حکومت نے مراکش۔ الجزائر اور طونس پر اپنا سکہ جمایا۔ اور برطانیہ کی شرکت میں مصر کے خدیو محمد علی پاشا کے زمانہ سے ترکی اثر کو ہٹا کر اپنے قدم جمانے شروع کئے تا آنکہ انگریزوں نے بلا شرکت غیری دریائے نیل کے کنارے اپنی حمایہ قایم کر لی۔ اور مغرب میں فرانس کو انگریزی مداخلت سے آزاد کر دیا۔

ہندوستان کا انگریزی سلطنت میں آنا اسلامی دنیا کے لئے قیامت ہو گیا۔ روس اور انگلستان کی آسیا میں باہمی رقابت نے اس میں اور آگ لگا دی۔ اس کی وجہ سے افغانستان کو غیر معمولی اہمیت ملی۔ اور درہ خیبر کے عسکری نقطے کے آس پاس دونوں سلطنتوں کی شرارتیں اور سیاسی چالاکیاں گھومتی اور منڈلاتی رہیں۔ ایران روسی اور برطانوی سیاسی سورماؤں کی جولانگاہ اور تنظیمات حاصل کرنے والی ٹولیوں کا اکھاڑہ بن گیا۔ رفتہ رفتہ ۱۹۰۷ء میں روسی ریچھ اور برطانوی شیر ببر نے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ عراق میں دجلہ اور فرات میں جہازرانی کے حقوق لنچ (LYNCH) کمپنی نے حاصل کئے اور سر ولیم ول کاکس (WILCOX) نے ان نہروں پر بند بنا کر ملک کو سیراب کرنے کی تجویز کا مطالعہ شروع کیا۔ تجارتی اور اقتصادی حقوق سیاسی شرارت کا پیش خیمہ ہوا کرتے ہیں۔ اور یہی عراق میں ہوا۔

انگریز اپنے آپ کو پانی کا شیر سمجھتے ہیں۔ اور اپنی نسل کو "برطانیہ دریا کی موجوں پر حکومت کرتا ہے"! اور اس قسم کے دیگر گانے سکھلا کر دوسروں پر اپنی دھاک جماتے رہتے تھے۔ جبل الطارق سے مالٹا اور وہاں سے نہر سویز تک کا راستہ ان کے ہاتھ لگ گیا۔ اور بحر وسط گویا ایک انگریزی جھیل بن کر رہ گیا۔ اب ان کے سیاسی اور عسکری ماہرین کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ اور جادہ احمر جو شام کے کنارے سے ہندوستان کی حدود تک پہونچ جائے اس کے قیام کی تجویز اور اس کے عمل میں لانے کی ترکیب پر غور کرنے لگے۔ اس کی وجہ اور بھی ہوئی۔ جرمنوں نے استنبول سے بغداد تک ریل بنانے کے حقوق حاصل کر لئے۔ اس پر انگریز بے حد گھبرائے کیونکہ اگر جرمن خلیج فارس پر پہونچ جاتے تو انھیں خوف تھا۔ کہ بحر ہند اور خود ہند میں ان کی حکومت کے لئے خدشہ پیدا ہو جاتا۔ دوسری طرف سلطان

عبدالحمید خان ثانی کی حجاز ریلوے بھی بنی شروع ہو گئی تھی جس سے نہ صرف عرب ممالک کی مدافعت میں امداد ملتی۔ بلکہ اگر ترکی کی شمالی حدود پر دشمن حملہ کرتا ہے تو شام اور عراق سے افواج لانے میں سہولت ہوتی۔ بغداد اور حجاز ریلوے کا اتصال ابھی نہ ہونے پایا تھا۔ کہ انگریزوں نے سلطان پر زور ڈالا کہ بصرے کو اپنی ریل کا آخری مقام نہ بنائیں۔ فساد زیادہ طول نہ کھینچے اس خیال سے سلطان کے مشورے پر جرمنوں نے بصرہ کو چھوڑ دیا۔ اور کویت کو ریل کا آخری نقطہ بنانا قبول کر لیا۔ اگر ۱۹۱۴ء میں جنگ نہ چھڑ گئی ہوتی اور بغداد ریلوے اور حجاز ریلوے بن گئی ہوتیں۔ تو کیا عجب ہے جو سلطنت عثمانیہ کو وہ دن دیکھنے نصیب نہ ہوتے جو اسے ۱۹۱۸ء میں دیکھنے پڑے۔ جرمنوں کی مخالفت میں فرانس نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔

ترکی کو ڈرانے کا بہترین طریقہ عربوں میں بغاوت پھیلانے کا تھا۔ عربوں کو ترکوں سے لڑانے کی خفیہ اور علانیہ کوششیں شروع ہو گئیں۔ اور عرب دھوکا کھا گئے۔ سلطنت عثمانیہ میں کوئی دیوانی یا عسکری عہدہ لیا نہیں تھا جو عرب حاصل نہ کر سکتے تھے۔ صدارت عظمیٰ بارہا عربوں کو ملی سینکڑوں والی وزرا اور سفیر عرب ہوئے۔ نیز عسکری محکمہ میں فریق (GENERAL) اور مشیر (FIELD) بھی ہوئے۔ مجلس شوریٰ میں عرب مبعوث منتخب ہوئے۔ غرضیکہ حکومت کے ہر صیغہ میں اور ہر عہدے کے بلا تفریق عرب اور ترک برابر کے حقدار تھے۔ عرب تو عرب، یہودی آرمنی، یونانی اور دیگر غیر مسلم اقوام بھی وہی حقوق رکھتی تھیں۔ جو مسلمان، ترکی اور جرمن کی مخالفت انگریز اور فرانسیسیوں کو قریب ضرور لے آئی۔ لیکن ان کی پرانی رقابت قایم رہی۔ انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اثر کو دیکھ کر فرانس گھبرایا۔ مصر سے انگریز فرانسیسی اثر کو آہستہ آہستہ دور کر رہے تھے۔ عراق میں بھی خلیج فارس کی راہ سے ان کا پلہ بھاری ہو رہا تھا۔ اگر شام میں بھی یہ بازی لے گئے تو نہ صرف جادہ احمر کی تجویز پختہ ہو جاتی۔ بلکہ فرانس کے افریقی اور ایشیائی حصے بھی معرض خطر میں آ جاتے۔ لہذا انھوں نے شام میں اپنی کارستانیاں تیز کر دیں۔ صلیبی جنگوں کے زمانے سے فرانسیسی پادری شام اور ارض مقدس میں مدرسوں اور گرجا گھروں کے ذریعہ سے دینی تعلیم کے علاوہ دھیمے دھیمے ایک نئی صلیبی جنگ کی بنیاد ڈالتے رہے تھے۔ اور یہ کام عیسائی عربوں کی وساطت سے صدیوں سے ہو رہا تھا۔ جوں

جوں ترکی حکومت میں کمزوری آتی گئی توں توں اس کام میں زور آتا چلا۔ اور فرانس کے حلیف روس نے بھی اس میں پوری امداد کی۔ کامیابی کی ایک وجہ اور بھی ہوئی۔ عرب۔ ترک، ایرانی اور مصری نوجوان اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے عموماً فرانس کی درسگاہوں میں جاتے تھے۔ کیونکہ جہاں انگریز صرف تجارت کے ذریعہ سے آگے بڑھتا ہے۔ وہاں فرانس والے مدرسوں کو بھی استعمال کرتے ہیں۔ مصر، ترکی اور شام اور خاص کر لبنان میں جہاں کی آبادی زیادہ تر مارونی (MARONIST) عیسائیوں کی ہے۔ فرانسیسی مدرسے پھیلے ہوئے تھے۔ اور طلبا یورپ کی زبانوں میں اکثر فرانسیسی ہی سیکھتے تھے۔ اور اس طرح فرانسیسی خیالات کی تعلیم ان ممالک میں برابر ہوتی رہی۔ حکومت نے عرب نوجوان طلبا کا اپنا جال پیرس اور مونٹ پلیر MONTPELIER کی درسگاہوں میں پھیلایا اور ان میں قومیت کی تحریک شد و مد سے برپا کی۔ تو نصلوں اور قونصل خانوں کے ذریعہ سے خفیہ کتابیں لکھ میں تقسیم کی گئیں۔ اور ہر قسم کی مال اور اسلحہ سے بھی مدد پہونچائی۔ لبنان کی پہاڑیوں میں کئی مرکز قایم ہوئے۔ جہاں گولہ بارود اور توپیں جمع کی گئیں۔ بلقان کی جنگ میں ترکی ہزیمت سے فائدہ اٹھا کر عرب انقلاب کی پوری تیاری کر لی گئی تھی۔ شیخ عبدالعزیز شاہ اولیس مرحوم اور طلعت بیگ مرحوم نے اور تجاویز پیش کر کے اس آگ کو بھڑکنے سے روکا۔

اَوّلْ۔ اصول لامرکزیہ (DECENTRALIZATION) قبول کر کے ہر عرب ولایت کو خود مختار حلقہ مقرر کیا۔ اور اس کا اعلان ایک ارادہ سنیہ کے ذریعہ تمام عرب ممالک میں کر دیا۔ ترکی اور عربی زبانوں کو برابر کا درجہ دیا۔ دوسری تجویز مدینہ منورہ میں کلیہ العربیہ کے قیام کی تھی۔ جس کا سنگ بنیاد انور بیگ مرحوم نے رکھا تھا۔ مسٹر جورج انطونیوس (GEORGE ANTONIUS) نے عرب انقلاب کی جو تاریخ لکھی ہے۔ اور دیگر کتابیں جو انگریزی میں اور یورپ کی دوسری زبانوں میں شائع ہوئی ہیں۔ وہ صرف اسی حد تک صحیح ہیں۔ کہ شام اور لبنان کے عرب باشندے جن کا دین مسیحی تھا۔ وہ دینی تعصب اور اور یورپائی حکومتوں کی شرارتوں کا شکار ہو گئے۔ ترکی اسلامی حکومت کو تباہ کرنے کے لئے صلیبی جنگوں کے سورماؤں کی روحوں کی یاد کو تازہ کر کے دین عیسوی کی نجات دلانے والوں میں

اپنے نام بھی تاریخ کے ورق پر لکھوانا چاہتے تھے۔ مسلم عرب طلبا بھی آزادی کی تحریک سے متاثر ضرور ہوئے تھے۔ اور سلطان عبدالحمید خاں کی جابرانہ حکومت سے اتنے ہی نالاں تھے جتنے کہ خود ترک۔ لیکن ان حضرات میں اکثر نے جواب پچاس یا اس سے زائد کی عمروں میں ہیں۔ خود مجھ سے کئی مرتبہ کہا ہے۔ کہ ہمارا ارادہ آسٹریلیا اور ہنگاریہ کی طرح ایک ترکی معہ عربی ملحق حکومت کے قیام کا تھا۔ ہم ترکوں کے دشمن نہیں تھے۔ بلکہ عرب آزادی کے حامی تھے۔ کیونکہ ہم عربی تمدن اور ثقافت (CULTURE) کو ترکی تمدن سے اونچا اور بہتر سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں ہم استنبول کے سلطان کو اپنا بادشاہ اور خلیفہ قبول کرنے کو آمادہ تھے۔ لیکن مجلس شوریٰ ہم عرب ممالک کے لئے علیحدہ چاہتے تھے۔ علاوہ ازیں ان احباب نے اس کا بھی بلاتکلف اعتراف کیا کہ ہم ترکوں سے کلیتًا الگ اس وجہ سے بھی نہیں ہونا چاہتے تھے۔ کہ ہم میں بیرونی حملے کی مدافعت کرنے کی نہ تو طاقت تھی۔ نہ صلاحیت۔ حفاظت کے لئے ہمیں ترکی سپاہی کی ضرورت تھی۔ اگر ۱۹۱۴–۱۹ء کی جنگ نہ ہوتی اور اگر اس میں ترک جرمنوں کا ساتھ نہ دیتے تو شاید سلطنت عثمانیہ اس وقت تک برقرار رہتی اور اس میں ایک مجلس شوریٰ استانبول میں اور دوسری دمشق یا قدس شریف میں برسر اقتدار نظر آتیں۔

قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ گیلی پولی کے جزیرہ نما کی شکست انگریزوں اور فرانس والوں کو شاق گذری۔ آبنائے دردانیال کے بند ہونے سے روس اکیلا پڑ گیا۔ اور آخر میں برباد ہو گیا۔ لڑائی کا پانسہ پلٹنے کی ایک ہی ترکیب تھی۔ اور وہ ترکوں کو جنوب کی جانب سے کمزور کرنے کی تھی۔ شامی عرب جن میں عیسائی عنصر اچھا خاصا تھا۔ بغاوت کے لئے آمادہ کر لئے گئے تھے۔ لیکن ان میں کوئی ایسا شخص نہ تھا۔ جو انقلاب کا سرگروہ بن سکے۔ جنرل میکسول (MAXWELL) جس کی قرارگاہ عمومی مصر میں تھی۔ اور سر ہنری میک مے ہن (MACMAHON) جو انگریزی حمایہ کا افسر اعلیٰ بنا کر مصر بھیجا گیا تھا۔ دونوں نے فرانسیسی حکام اور عرب جاسوسوں کے ذریعہ سے شریف حسین کو پہچانا۔ یہ شخص ترکوں سے اس وجہ سے ناراض ہو گیا تھا۔ کہ اس کے لڑکے فیصل کو جس نے ایک روسی عورت گھر میں ڈال رکھی تھی۔ خاندان آل عثمان کی شاہزادی نکاح میں دینے سے سلطان وقت نے انکار کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں اسے یہ بھی شکایت تھی۔ کہ اسے نہ تو سلطان اور نہ ترکی وزارت مالیہ حسب منشا روپیہ مانگے دیتی تھی۔ ائتلاف ثلاثہ (TRIPLE ALLIANCE) ..... کے روپے اور خلافت کی ہوس کا جادو چل گیا۔ شریف حسین عرب انقلاب کا سرغنہ بنایا گیا۔ اس سے عجیب و غریب وعدے کئے گئے۔ علاوہ خلافت کے اسے ترکی حکومت کے ان تمام حصوں کا بادشاہ بنانے کا سبز باغ دکھلایا گیا۔ جن میں عرب آباد تھے۔ ابھی یہ حصے فتح بھی نہیں ہوئے تھے۔ کہ یہ اپنے آپ کو ملک العرب کہنے اور لکھنے لگا۔ یہ تھی پہلی کڑی عربی وفاق کی جو برطانیہ اور فرانس کے آہنی کارخانوں میں گڑھی گئی تھی۔ مسلم انقلابیوں نے شریف کو اس وجہ سے قبول کیا تھا کہ آسٹریا دم توڑ رہا تھا۔ اور جرمنوں کو فرانس کے محاذ پر کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ اس کا اثر ترکی کی حکومت پر بھی نمایاں تھا۔ انھوں نے بہتر یہی سمجھا کہ غالب کا ساتھ دینا زیادہ سودمند ہے۔ وہ یہ نہ سمجھے تھے کہ ان کی خدمات کا صلہ غلامی ہوگی۔

جنگ ختم ہوئی۔ امیر فیصل اپنی عقل کل طامس لارنس (THOMAS LAWRENCE) کو کبھی عربی لباس پہنا کر اور کبھی عسکری وردی میں پیرس اور لندن میں بین الاقوامی مدبرین کی ڈیوڑھیوں کے چکر لگاتا رہا۔ شنوائی کہیں نہیں ہوئی۔ حسین ملک الحجاز بن کر رہ گیا شام اور لبنان فرانس کے حصہ میں آئے۔ اور فلسطین۔ عراق اور حجاز کی مشہور بندرگاہ عقبہ انگریزوں کے۔ انگریزوں کی سفارش پر فیصل کو شام کا بادشاہ فرانس نے قبول کیا۔ لیکن پہلی ہی عدول حکمی پر فرانس والے اس سے ناراض ہو گئے اور نکال باہر کیا۔ انگریزوں نے رحم کھا کر اسے عراق پر مسلط کیا حالانکہ وہاں طالب پاشا نقیب سے بھی جس نے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ بادشاہ بنانے کا وعدہ کیا گیا تھا شریف کے دوسرے لڑکے عبداللہ کو شرق اردن کا حاکم بنایا۔ اسے فلسطین صیہونیوں کی وجہ سے نہیں ملا۔ حالانکہ ارض مقدس کا پورا اور حتمی وعدہ سر ہنری میک مے ہن نے شریف حسین سے کیا تھا۔ صیہونیوں کے پھسلانے دھمکانے سے لارڈ آرتھر بلفور (BALFOUR) نے ساتھ ہی ساتھ فلسطین میں یہودی مرکز کے پہلے یہودی حکومت کے قیام کا وعدہ کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج تک صیہونی اور عرب برابر لڑ رہے ہیں۔ اور جس بین الاقوامی اصول کی بنا پر انگریز وہاں قابض ہو گئے ہیں وہ اسے سلجھا نہ سکیں گے۔ قرائن یہ معلوم ہوتے ہیں کہ موجودہ جنگ سے فائدہ اٹھا کر صیہونی حضرات انگریزوں کو

عاجز کر دیں گے۔ اور بجائے مرکز کے قومی حکومت قایم کر ہی کے رہیں گے۔ اس قضیہ میں امیر عبد اللہ کو شرق اردن کے ریگستان میں دھکیل دیا گیا۔ وہاں وہ انگریزی عسکری حکام کی زیر نگرانی اپنی زندگی کے دن گذار رہا ہے۔ اسے ضرورت کے وقت بغرض تشہیر باہر نکال لاتے ہیں۔ اور پھر حسب عادت واپس بھیج دیتے ہیں۔

شریف حسین کی کہانی عبرت ناک ہے۔ لندن کی وزارت خارجہ ان کے روپیے سے اور وعدوں سے ابھارتی رہی اور ہندی ادارہ خارجہ نجدی سلطان عبد العزیز ابن عبد الرحمن آل فیصل ابن سعود کو تیار کرتا رہا۔ حسین کی ضرورت جوں جوں کم ہوتی گئی اسی رفتار سے چاندی سونے کے گنگا جمنا کی دھارا بھی خشک ہوتی گئی۔ فیصل بغداد میں عبد اللہ معان میں بٹھائے گئے تھے۔ حسین کا بڑا لڑکا علی حجاز کا ولی عہد مقرر ہوا۔ لیکن جب سلطان عبد العزیز نے وہابی اخوان کی جماعت کو مسلح کر کے تیار کر لیا تو حجاز پر حملہ کر کے اول طائف پھر مکہ معظمہ اور پھر مدینہ منورہ کو فتح کر لیا۔ حسین حکومت سے دستبردار ہو کر اور علی کو بادشاہت سپرد کر کے جو کچھ سونا جمع کر سکا وہ لے کر جزیرہ قبرص بھاگا اور اس کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ملک العرب علی ابن حسین نے اپنے چھوٹے بھائی عبد اللہ کے گھر میں پناہ لی۔ سلطان عبد العزیز پورے حجاز کا مالک بن گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد عصیر بھی فتح کر لیا۔ رسمی طور پر اب اس کا نام "سلطان نجد ملک الحجاز و ملحقاتہا" ہے۔ اس نے یمن پر بھی چڑھائی کر دی۔ اور تہامہ کا ساحلی حصہ فتح بھی کر لیا تھا۔ لیکن صاحب السماحہ حضرت الحاج السید امین الحسینی مفتی اعظم القدس الشریف اور حضرت الامیر شکیب ارسلان کی کوشش سے صلح ہو گئی۔ اور امام یحیٰی اپنی حکومت پر برقرار رہا۔ جزیرۃ العرب کا جنوبی ساحلی حصہ یعنی حضرموت اور خلیج فارس میں عمان بحرین اور قویت انگریزی حمایہ میں آ گئے ہیں۔ اور ان کی حیثیت ہندی نواب اور راجاؤں سے کسی طرح اونچی نہیں ہے۔

یہ ہے تصویر عربی ممالک کی۔ اور یہ ہے تاریخ بیسویں صدی کے عربوں کی گذشتہ جنگ کے نتائج عربوں کے حق میں مفید نہیں ہوئے۔ ترکی سلطنت میں یہ برابر کے دعویدار تھے۔ انگریزی اور فرانسیسی تعلق کی بدولت یہ غلام ہو گئے۔ اب اپنی قسمت پر رو رہے ہیں۔ عراق میں انقلابی تحریک اور دو مرتبہ خونریزی کے بعد انگریزوں سے صلح نامہ ہوا۔ لارنس کے دو نائب مولود پاشا مخلص اور نوری پاشا سعید کے ذریعہ انگریزی رسوخ قایم ہے۔ لبنان اور شام میں دروسی زعیم سلطان پاشا الاطرش کی انقلابی حرکت کو فرانس نے سختی سے دبا دیا۔ فلسطینی جنگ نجات کی آگ کو موجودہ جنگ نے دبا دیا ہے۔ لیکن اس کی راکھ میں ابھی چنگاریاں باقی ہیں۔ گویا ایک ایک کر کے تمام مسلم اور عیسائی حضرات کو جنھوں نے قومی تحریک میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ پکڑ کر جنوبی افریقہ میں روڈیشیا (۱۸ء ۵ے ۵۵ءH) میں قید کر دیا ہے۔ نجدی اخوان اور ان کے زعما حجاز میں آنے کے بعد ترقی روشنی کے خواہاں ہوئے۔ مصر اور شام کے علاوہ پیرس اور لندن اور اب تو امریکہ کی بھی سیر کرنے لگے۔ اور کیا عجب ہے کہ جو سلطان عبد العزیز کے بعد یہ بھی متنورین کی جماعت میں سمجھے جانے لگیں۔ یمانی حکومت اور باشندے دوسرے عربوں سے نہ صرف مذہبی حیثیت ہی سے جدا ہیں۔ بلکہ ان کا نقطۂ نظر ہر چیز میں علیحدہ ہے۔ وہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ ہی رکھنی چاہتے ہیں۔ عراق میں ایرانی۔ کردی۔ اور عرب فرقے ہیں۔ ان کی زبانیں بھی الگ ہیں۔ شیعہ سنی کا قصہ بھی موجود ہے۔ حجازی شامی کو پسند نہیں کرتا۔ اور بدو شہری کو اب تک ذلیل سمجھتا ہے۔ مکے اور مدینے کے رہنے والے جو آئمہ اربعہ کے مقلد ہیں۔ وہ اور شیعہ حضرات وہابیوں سے عاجز ہیں۔ یمن میں جو قبائل تہامہ کے ساحلی حصے میں آباد ہیں۔ شافعی ہونے کی وجہ سے صنعا کی پہاڑی امامی حکومت کی نگاہ میں قابل عزت اور قابل اعتماد نہیں۔

عربی تحریک کی جڑیں نہ نسل میں ہیں اور نہ مذہب میں۔ العرب العرب کے معنی یہ ہیں کہ ہر وہ شخص جس کی مادری زبان عربی ہے عرب ہے۔ اس اصول کے مطابق مراکش۔ الجزائر اور طونس کے برابر بھی عرب ہیں۔ اور مصر کے قبطی اور فلاح اور نوبیا اور سودان کے باشندے بھی مصر میں عرب ترک اور چرکس قومیں وہاں کے اصلی باشندوں میں اس طرح مل جل گئی ہیں کہ ان کی اصل نسل کا دریافت کرنا اکثر مشکل ہو جاتا ہے۔ مصر کا بادشاہ خود البانوی ہے۔ وزراء دیگر اقوام کے اور آبادی کا تقریباً ۹۰ فی صدی حصہ طوطہ آنخ آمون کی اولاد ہے۔ یورپ کی ملی اور قومی تحریکوں کا اثر عرب قوم پر بہت زیادہ پڑا ہے۔ المصر للمصریین۔ العراق للعراقیین کی صدائیں برابر کانوں تک آتی رہتی ہیں۔ وفاق علیحدہ علیحدہ قوموں اور حکومتوں میں اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے۔ جب ہر قوم اور ہر حکومت اپنے کچھ حقوق کو ایک مرکزی ادارے کے نام تفویض کر دے۔ عرب کا خون گرم ہے اور اب بھی پانی پینے اور پلانے پر جھگڑا کر لیتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہو سکے گا۔ کہ وہ اپنے ملی۔ قومی یا قبائلی حقوق کسی اور کے سپرد کر دے خواہ وہ کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں۔

ایک اور پہلو بھی ہے۔ جو وفاق کے دل خوش کن خواب کو پراگندہ کر دیتا ہے۔ جبتک موصل بن اور بکرین میں اور العصا کی زمین میں مٹی کا تیل موجود ہے۔ اور جبتک اور یورپی اقوام اپنی صنعتوں کے نئے بازاروں اور انھیں وہاں تک پہنچانے کے نئے دریائی اور ہوائی راستوں پر قبضہ قائم کرنے کی کوشش میں مبتلا ہیں۔ تب تک وفاق عربی اگر ناممکن نہیں تو مشکل اور مستلزم ضرور ہے۔ وفاق کے کامیاب ہونے کی شرط اولین یہی ہے۔ کہ اس کے اعضا آزاد ہوں۔ جیتنی کوئی کا کرنا آسان نہیں ہے۔ لیکن اس کا کہنا کہ موجودہ حالات میں اگر عربی وفاق کی عمارت کھڑی کی گئی۔ تو اس کی تعمیر میں غلامی اور بربریت کی صورت ضرور مضمر رہے گی۔ غلط نہ ہوگا۔ انگلستان اور فرانس دو بڑی سلطنتیں تھیں جنہوں نے اپنی عمارت دنیا بھر میں پھیلا رکھی تھی۔ جنگ کے بعد روسی اور امریکی حکومتیں اپنے حصے کی طلبگار رہوں گی۔ اور رہے کر رہیں گی۔ موجودہ زمانہ اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ البتہ اگر جمہوریت کی جنگ جمہوری صلح پر ختم ہوئی۔ اور عرب ممالک آزاد ہوئے تب ایک نہیں بلکہ ایک سے زائد وفاق ہو سکتے ہیں۔ جغرافیائی۔ مالی۔ علمی۔ تمدنی اور ثقافتی حیثیتوں سے قاہرہ اس کا مرکز بن سکتا ہے۔

حکومت سعودی نے نجد۔ حجاز اور عسیر کو متحدہ کر ہی دیا ہے۔ مکہ سے بہتر اس کا اور کوئی مرکز ہو ہی نہیں سکتا۔ ممکن ہے اس میں جنوبی اور مشرقی ساحلی حصے بھی شریک ہو جائیں۔ ریف۔ مراکش۔ الجزائر۔ طونس اور طرابلس الغرب بھی ایک وفاق قائم کر سکتے ہیں۔ البتہ یہ ناممکن نہیں ہے کہ اس وقت کی عرب حکومتیں اپنے آقایان مغرب کی زیر نگرانی اور ان کی دھمکی کے خوف سے وہ وفاق قائم کر لیں جس کے مسٹر انتھنی ایڈن متمنی ہیں۔ اور جس کے لئے مصطفے پاشا نحاس مصر میں اور نوری پاشا سعید عراق میں کوشاں ہیں۔ شام سے جمیل بیگ مردم بھی اسی مہم پر نکلے ہیں۔ اور عبداللہ بیچارہ تو اس کے لئے اپنی سرکار کے رحم کا منتظر ہی بیٹھا ہے۔ اگر یہ جنگ دو دو جاری رہی تو ممکن ہے قاہرہ میں جو مشورتی جلسہ ہونے والا ہے۔ وہ کسی صورت کا وفاق گھڑ دے۔ لیکن یہ وفاق عربی نہیں ہوگا۔ شاید عربی الانجلیسی والفرنساوی ہو۔

وفاق عربی صرف ایک ہی بنیاد پر قائم ہو سکتا ہے۔ اور وہ مذہب ہے۔ عرب ممالک میں مسلم زیادہ ہیں۔ اور غیر مسلم کم ہیں۔ فرق تھوڑا نہیں بلکہ ۹۵ اور ۵ کا ہے۔ عیسائی اور یہودی عربوں کو اسلامی قانون کے مطابق وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمین کو۔ دین اور دنیا کو علیحدہ کرنے کے نتیجے آج یورپ بھگت رہا ہے۔ جو راہ یورپ والوں نے روما کے پاپا اور اس کے پادریوں سے نجات حاصل کرنے کیلئے اختیار کی وہ غلط ثابت ہوئی۔ اصلی خدا کو بھول گئے اور اقتصادی بھوت کو اس کی جگہ کھڑا کر دیا۔ عربوں نے اگر یہ راہ لی تو ترکستان ان سے قریب تر ہے۔ اللہ تعالی انھیں نیک ہدایت دے آمین۔

حیات کا نصب العین

(بقیہ صفحہ ۴ سے آگے)

خونریزی ہونے لگی اور خدا کی یہ زمین خون سے لالہ زار ہو گئی۔ یہ سب اسلامی نظریہ حیات کے منافی ہے۔ اسی وجہ سے ہم خطا اور عصیان کے تعبیر آکر کھڑے ہو گئے ہیں۔ اور گرنے والے ہیں ایسے کہ کسی کے نکالے نہ نکل سکیں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس کا مداوا کیا اور اس سے نجات کس طرح اس کا علاج بس یہ ہے کہ زندگی کی غلط رفتار کو بدلا جائے۔ کلام اللہ کی تعلیم کا مطالعہ کر کے اساس زندگی اور نصب العین مقرر کیا جائے۔ اور واعتصموا بحبل اللہ جمیعا کی نص پر کاربند ہو کر جماعت میں فکر و اندیشہ اور حرکت اور عمل کی خلش و لگن پیدا کی جائے سعی پیہم ہو۔ تلاش مقصد کا انہماک ہو۔ حاصل کلام حصول مقصد یہ ہو۔ اللہ کی زمین پر اللہ کی حکومت کا قیام اور حکم اللہ کے سچے نام لیوا ہو۔ اور سچے خلیفۃ الارض کے وارث و حقدار جس کے لئے ہماری تمنائیں بیقرار ہوں۔ حرکت و ارتقا کی منازل لحہ بلحہ طے ہوں جس سے ہمارا ہر قدم و منزل پر جہاں نو ہو۔

تباؤں تجھ کو مسلمان کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایت اندیشہ و کمال جنوں!

(اقبال)

افغان کا معیار ادب و اصلاح ہر افغان اہل قلم کی توجہ کا محتاج ہے

ارضِ حجاز کے حالات

اس دفعہ خلاف توقع زائرین کعبہ کو حج اکبر نصیب ہوا۔ جو بڑی مسرت کی بات ہے اور ہم واپس آنے والے حجاج کو دلی مبارکباد دیتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ اس دفعہ حجاج کو بہت سی مشکلات ہوئیں۔ ملک حجاز میں بہت گرانی تھی اور ٹیکس بھی بکثرت تھے۔ ہندوستانی حجاج بھی باوجود پاس روپیہ ہونے کے کفایت کی ایسی ایسی صورتیں اختیار کرتے دیکھے گئے جو خود ان کی تکالیف کا باعث ثابت ہوئیں۔ اور ہر قسم کی مشکلات جنگی حالات کے باوجود شدید معلوم ہوتی تھیں۔ حج کے موقعہ پر اس دفعہ سلطان ابن سعود موجود نہ تھے۔ ان کی جگہ ان کے ولی عہد امیر فیصل ابن عبد العزیز شریک حج تھے۔ الحمد للہ حج کا باحرمت فریضہ بخیر و خوبی انجام کو پہونچا۔ واپس آنے والے حجاج ہشاش بشاش اپنے وطنوں کو واپس پہونچے اور ان کے عزیزوں اور احباب نے ان کا گرمجوشی اور احترام سے استقبال کیا۔

مکہ معظمہ کے قیام کے ایام میں ہندوستانی حجاج کا ایک جلسہ الحاج نواب محمد ابراہیم علی خاں صاحب نواب کنجپورہ کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں گورنمنٹ حجاز اور گورنمنٹ ہند ہر دو نے جو انتظامات حجاج کے لئے کئے تھے۔ ان کا شکریہ ادا کیا گیا۔ اسی جلسہ میں ایک خاص اہم تجویز پیش ہو کر پاس ہوئی۔ وہ یہ ہے کہ گورنمنٹ ہند نے جو پیشگی رقم سفر حج کے اخراجات کے لئے فی کس وصول کی تھی۔ وہ حجاز کے شرح تبادلہ سکہ کے بموجب تقریباً ڈیوڑھی لگی تھی۔ یعنی اگر ہندی حجاج اپنے روپے کے پونڈ طلائی اس ملک میں خرید کر لیتے اور ان سے حجاز میں خود اپنے اخراجات سفر و ٹیکس وغیرہ ادا کرتے تو ان کا دو تہائی خرچ ہوتا۔ بمقابلہ اس کے جو ان کو تمام اخراجات کے لئے پیشگی رقم جمع کرنے میں ہوا۔ اسی وجہ پر ہندی حجاج نے اس تجویز کے بموجب گورنمنٹ سے تہائی رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا ہے۔ معاملہ کی بنا پر تجویز اپنی جگہ معقول معلوم ہوتی ہے۔ اور حجاج اس قدر رقم کی واپسی کے مستحق ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ سرکاری حلقوں میں اس بابت اب تک کیا کارروائی ہوئی ہے۔

گذشتہ حج کے ایام ہی میں امریکی تیل کے ٹھیکیدار سلطان ابن سعود سے ارض عرب کے قدرتی مٹی کے تیل کے ذخیروں کا معاملہ طے کر رہے تھے۔ اخبارات میں آچکا ہے کہ فریقین کے درمیان معاملہ طے ہو چکا ہے مگر ہنوز مفصل شرائط معلوم نہیں ہوئیں۔ لیکن عالم اسلام میں اس اقدام کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا۔ گذشتہ تین صد سالہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یورپی اقوام اول تجارتی مشن بھیجکر تجارتی معاہدات کرتی ہیں۔ اجارہ دار کی حیثیت سے وہ ملکوں میں داخل ہو کر ملکی حالات کا مطالعہ کر کے ان میں دخل دینے لگتی ہیں۔ اور بالآخر ملک ہی پر قبضہ جما لیتی ہیں۔ اسلامی ممالک کو اس تجارتی اور سیاسی اقدام سے جو نقصانات پہونچے ہیں۔ وہ ایک دلخراش داستان ہے۔ خاصکر عالم اسلام کو سلطان ابن سعود جیسے مدبر حکمراں سے یہ امید نہ تھی۔ کہ وہ دنیاوی ضرورتوں کے باعث غیر ملکیوں کو اپنے ملک کے قدرتی ذخائر پر اجارہ عطا کر دیں گے بلکہ وہ تو یہ توقع کر رہے تھے کہ سلطان موصوف کے عہد میں قدیم عربی سائنس کے علوم کا احیا ہو کر عرب کے قدرتی ذخائر خود عرب ذخائر خود عرب اپنی محنت اور کاوش سے مفید کار لائیں گے۔ جو کچھ ہو چکا اس میں خداوند کریم انجام بخیر کرے۔ اور ارض مقدس کی حفاظت و حرمت غیبی امداد سے ہو۔

ایک واقعہ نہایت خوش کن ہوا ہے جس کی تاریخی و سیاسی اہمیت غیر معمولی تسلیم کی جا رہی ہے۔ شاہ فاروق والئی مصر سلطان ابن سعود کی ملاقات کے لئے ملک حجاز میں تشریف لے گئے۔ اور زیارت روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نخلستانوں کی سیاحت۔ وہاں پر بدوؤں سے خلط ملط۔ ان کو خوشحال کرنے کے لئے امداد و خسروی خیرات و انعام و عطیات۔ حالات کا مطالعہ اور مشورت میں انھوں نے حجاز

ہما بندہ یوم گذارے۔ امیر فیصل ابن عبدالعزیز نے ان کا ینبوع کی بندرگاہ پر استقبال کیا۔ اور مدینہ منورہ میں سلطان ابن سعود نے ان کا استقبال کیا۔ دونوں حکمرانوں اور ان کے اسٹاف کے درمیان عرب ممالک کے موجودہ حالات پر تبادلہ خیالات ہوا۔ اور باہمی اتفاق رائے رہا۔ عربی اخبارات نے ان دونوں حکمرانوں کی ملاقات پر مقالات لکھے ہیں۔ اور خیال ظاہر کیا ہے کہ اس قسم کی ملاقاتیں رابطہ و اتحاد کے لئے بہت مفید ہیں اور آئندہ دوسرے عربی حکمرانوں میں ہوتی رہیں گی۔ اور امید کی جاتی ہے۔ کہ امسال سلطان ابن سعود مصر شاہ فاروق سے ملاقات کے لئے ضرور جائیں گے۔ شاہ فاروق نے قاہرہ پہونچکر شکریہ کا پیغام سلطان ابن سعود کو بھیجا ہے۔ اس کا یہی لفظ ہے۔ کہ ان کی ملاقات کا اثر عربی اقوام و ممالک کے اتحاد اور آزادی کے معاملات پر بہت مفید اور دوررس ہوگا۔ سلطان ابن سعود نے اپنے برقیہ سے شاہ فاروق کا شکریہ ادا کیا اور ان کو مبارکباد دی کہ اس قسم کی مفید ملاقاتوں کی ابتدا کرنے کی عزت کا سہرا ان کے سر ہے۔ تمام عرب کی آبادی ان کے روضۂ رسول صلعم کی زیارت سے بہت خوشی ہوئی ہے۔ اور یقینی ہیں کہ خداوند کریم اس قسم کی ملاقاتوں کے پھر مواقع نصیب کرے۔ کیونکہ ان کی بدولت عرب قوم کا کھویا ہوا اقتدار پھر سے بحال ہوگا۔

خود لندن ٹائمز نے عرب حکمرانوں کی اس تاریخی ملاقات پر ایک اہم مقالہ سپرد قلم کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ عرب کانفرنس جو قاہرہ میں منعقد ہونے والی ہے۔ اس کے متعلق اب قوی امید کی جاسکتی ہے کہ عرب وفاق کے جملہ معاملات بخوبی طے پا جائیں گے۔ سلطان ابن سعود نے اپنے وزیر خارجہ شیخ یوسف یٰسین کو خاص طور پر قاہرہ مجوزہ منشور وفاق عرب اور متعلقہ تجاویز پر اپنی حکومت کی جانب سے دستخط ثبت کرنے اور کانفرنس میں شرکت کے لئے مختار بنا کر بھیجا ہے۔ ٹائمز کا خیال ہے کہ سلطان ابن سعود کے اقتدار کے باعث جو ان کو عربی دنیا میں حاصل ہے عرب اقوام کے معاملات کو باہمی طے کرنے میں ان کی حمایت اور تائید سے بڑی امداد ملے گی۔ سلطان موصوف کے تعلقات عراق سے بہت خوشگوار ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ امام یحییٰ والی یمن بھی اپنا وکیل مختار عرب اقوام کی کانفرنس میں قاہرہ بھیج رہے ہیں۔ یہ سب حالات ازحد خوش کن ہیں۔

عربوں کی عام کانفرنس

قاہرہ میں فروری کے وسط میں عربوں کی عام کانفرنس منعقد کرنے کے انتظامات کئے جارہے ہیں۔

عرب امور کے مصری وزیر عبدالرحمٰن اعظم بے نے عرب نیوز ایجنسی سے اس کانفرنس کے انعقاد کا انکشاف کیا۔ آپ عرب اتحاد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ان کمیٹیوں کے کام میں رابطہ قایم کر رہے ہیں جو عرب اتحاد کے مختلف پہلوؤں پر بحث تمحیص کر رہی ہیں۔

شاہ ابن سعود کے پرائیوٹ سکریٹری شیخ یوسف یاسین قاہرہ پہنچ گئے اور ان کی آمد سے پچھلے ہفتہ قاہرہ میں سعودی عرب کی دستاویز پر دستخط ثبت کرنے سے متعلق تمام ابتدائی کارروائیاں مکمل ہوگئیں۔ اب آپ حجاز واپس چلے گئے ہیں اور عربوں کی عام کانفرنس کے انعقاد کے وقت آپ پھر قاہرہ آئیں گے۔

قاہرہ میں عرب ممالک کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس

مصری وزیر خارجہ نے عرب ملکوں کے وزرائے خارجہ کو دعوت دی ہے کہ وہ قاہرہ کی کانفرنس میں شرکت کریں اور عرب ریاستوں کی لیگ کا دستور اساس مرتب کریں۔

دو عرب امیروں کی ملاقات

عراق کے سیاسی حلقوں میں اس ملاقات کو بڑی اہمیت دی جارہی ہے۔ جو عراق کے ریجنٹ عبدالالٰہ اور امیر عبداللہ فرمانروائے شرق اردن کے درمیان ہونے والی ہے۔ امیر عبداللہ آئندہ چند روز میں عمان سے روانہ ہونے والے ہیں۔

عرب اور شام کے مسائل پر گفت و شنید

حکومت شام کے صدر شکری القوتلی بے ایک خاص ہوائی جہاز پر بیٹھ کر سلطان ابن سعود سے ملنے گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے دونوں میں عرب ممالک اور خاص کر شام کے مسائل پر گفت و شنید ہوگی۔

اُصولِ فطرت

اسی ہی تپ ہی تپش ہی لو ہی جلال خورشید کی زمیں ہی
وہ سرزمین جس کا ذرہ ذرہ فنا کی مانند خشمگیں ہے

بگولے شعلوں پہ خندہ زن ہیں فضائیں دوزخ پہ ہنس رہی ہیں
اُمڈ رہا ہے تموزِ صحرا سموم ہنگامہ آفریں ہے

برس رہی ہیں فضا میں انگار افق کی لپٹیں سی اٹھ رہی ہیں
اداس ہی روح دشت غربت ہر اک طرف منظر حزیں ہے

تپش رجز پڑھ رہی ہے ایسے شعاعوں میں ایک کپکپی ہے
زمیں کے رخسار جل رہے ہیں تو تمتمائی ہوئی جبیں ہے

گھٹا نہیں ہی مگر ہر اک سمت بجلیاں ہیں کہ کوندتی ہیں
خلاؤں میں اٹکے رہ گیا ہے غبار ہستی جہاں کہیں ہے

بلائیں صورت بگڑ رہی ہیں قضائیں سانچوں میں ڈھل رہی ہیں
قرینے دعووں سے کہتے ہیں امتحان سبط نبی ہیں ہے

حیات مومن کا ہر نفس غیرت و خودی کیلئے امین ہے
اگر کوئی اس طرح جیا ہے تو آفریں ہے صد آفریں ہے

حسینؓ سے آجتک زمانہ ہزار پہلو بدل چکا ہے
مگر اسی طرح نام روشن، اسی طرح تذکرہ حسیں ہے

حوادث ابتلا سے ٹکرا کے ٹوٹ سکتی ہی سیف مومن
مگر یہ وہ سیف ہی کہ اس میں منافقت کی لچک نہیں ہے

جھپک سکی ہے نگاہ غیرت نہ جھک سکا ہی سر شہادت
اگرچہ دنیائے زور و زر کا فریب ہر طرح دل نشیں ہے

جلالؔ مظلوم کی قسم ہے غلط نہیں ہے اصول فطرت
کہ آج اہل ستم کا دنیا میں نام لیوا کوئی نہیں ہے

اِقتصادیات

اور

ہندوستان!

یہ مضمون خان جمشید علیخاں صاحب ڈپٹی آفیسر انچارج نیشنل وار فرنٹ صوبہ دہلی کی رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ خانصاحب موصوف ضلع جھجر کے رئیس ہیں۔ آپ نے ہماری درخواست پر کئی مضامین زیب رقم فرمائے ہیں جن کی قسط اول ہدیہ ناظرین کرام ہے۔ افاغنہ ہند میں سب سے پہلے سلطان بہلول نے مستقل املاک کی تقسیم کی۔ سلطان مبرور کی دور رس نگاہیں اس قانون فطرت کو سمجھتی تھیں کہ موجودہ منتشر دستان کا نتیجہ طاؤس ورباب ہوگا۔ اور جس راجدھانی کو خون کی بازی لگا کر جیتا ہے۔ ایسے عطاردگال کے منظر عیش کی ہولی میں ڈبو دیں گے۔ اس وقت یہ بکھری بکھری زمینیں قیام حیات کا سبب بن سکیں گی۔ حیات اگرچہ بحرانی طوفانوں کے بعد آخری ہچکیاں لے رہی ہو گی۔ لیکن ممکن ہے کہ ایسے میں جمیعت جبلی ان پراگندہ اجزا کو جوڑ سکے اور عناصر پھر ظہور ترتیب ہو جائے۔ آج طول و عرض ہند میں ملت افاغنہ کے پاس زرعی زمینیں نسبتاً کافی ہیں۔ اور افاغنہ کو فطری طور پر زرعی مسائل سے دلچسپی ہوتی ہے۔ یہ مضمون اس حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ خانصاحب موصوف کے دوسرے مضامین عنقریب معرض شیوع میں آئیں گے۔ آپکا دوسرا مضمون "نوجوان افاغنہ اور مسائل بعد جنگ" ہے۔

کون نہیں جانتا کہ اس جنگ عالمگیر کے بعد ایک ایسا دور آنے والا ہے جو اقتصادی طور پر ہندوستان کے لئے خصوصاً اور دوسرے ممالک کے لئے عموماً بہت ہی گراں اور نازک دور ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ معقولیت پسند عوام و خواص اس کوشش میں ہیں کہ اپنی آمدنی کا زیادہ سے زیادہ حصہ پس انداز کر کے آنے والے بُرے دور کی صعوبتوں کے خلاف حفاظتی تدابیر عمل میں لائیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اقتصادی مصائب سے بچنے کیلئے ہر انسان کو لازم ہے کہ اپنے ماحول سے کبھی کماحقہ باخبر رہے۔ آئندہ دور میں حق ملکیت کا مفہوم آج کے مفہوم سے متضاد نہیں تو کم از کم تبدیل شدہ ضرور ہوگا۔ املاک کے سلسلہ میں لازمی طور پر کچھ ترمیمیں ہوں گی۔ آبادی کا مسئلہ درپیش ہوگا۔ اور اس کے نتیجے میں زرعی منصوبہ بندی اثر انداز ہوگی۔ زمین کی پیداوار اور پیداوار کے نکاس کا سوال ہوگا۔ اور ان کے موجودہ طریقوں میں اصلاح ہوگی۔ الغرض زرعی مسائل ہی اتنے پیچیدہ ہوں گے۔ کہ اس کے لئے حکومتوں کو ابھی سے فکر لاحق ہے۔ زمین سے استفادہ۔ کاشتکار اور غیر کاشتکار اقوام کا حل یہ سب ایسی باتیں ہیں جو ہر معقول آدمی کے ذہن میں ہونی چاہئیں۔

جس قوم کے زیادہ سے زیادہ افراد میں ان مسائل کو بہتر سے بہتر سمجھنے کی اہلیت ہوگی وہ زندگی کی دوڑ میں یقیناً آگے رہے گی۔

پچھلے دنوں نئی دہلی میں معاشیات دانوں کی شاورتی مجلس کا پانچواں اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں چند اہم باتیں ہوئیں۔ پہلے معاشیات دان

کی مشاورتی مجلس کی عام مقاصد کی مجلس کا قیام اس کا نام معاشیات دانوں کی بزم دانش یا کیان منڈلی ہے۔ دوسرے محکمہ تعلیم صحت وزراعت کے ہیڈ فیلڈ سکریٹری سرپی ایم کھارے گھاٹ کا یہ بیان کہ ہندوستانی زراعت کی پیداوار میں اتنا اضافہ ہو سکتا ہے کہ اس سے ہندوستان کی موجودہ سے ڈیوڑھی آبادی کو پالا جا سکتا ہے۔

آپ کی تقریر سے ان مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) حکومت زراعتی معاشیات کے بورڈ کے قیام پر خاص غور کر رہی ہے۔ یہ بورڈ زراعتی معاشیات کے بارے میں مختلف مسائل پر غور کرے گا۔ مثلاً زراعت کے وہ زمانے جب کاشتکار بیکار یا کسی حد تک بیکار ہوتا ہے۔ زراعتی مزدوروں کے حالات۔ زراعتی پیداوار پر حق ملکیت کے اثرات وغیرہ۔

(۲) یہ دیکھنے کے لئے کہ جو کچھ پیدا ہوا ہے اس کو ملکی ضرورت کے مطابق مساوی طور پر تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ کونسا طریقہ پیداوار بڑھانے کا موجب ہوگا۔ یہ تجویز کی گئی ہے کہ مختلف مقامات پر اجتماعی امداد باہمی کے فارموں نیز سرکاری مقبوضہ کھیتوں میں تجربے کئے جائیں۔

(۳) سارے ملک میں زمین کو استعمال میں لانے والی ایک مجلس کا قیام زیر غور ہے جس کے ساتھ صوبوں کے دوسرے بورڈ ملحق ہونگے۔

(۴) زرعی قرضے کے بارے میں سفارشیں کرنے کے لئے ایک مجلس قائم کردی گئی ہے۔

مشاورتی مجلس میں کاشتکاروں اور ضمناً زراعتی مزدوروں کی حالت کا مسئلہ اٹھایا گیا جن کی حالت سب سے بدتر ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی جس کو سدھارنا سب سے مشکل ہے لیکن جب تک ملک میں زندگی کا معیار بلند نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ ساتھ رفتار خرید نہیں بڑھتی اس وقت تک زراعتی مزدور کی حالت کا بدلنا ممکن نہیں تو کٹھن ضرور ہے۔

مجلس میں حق ملکیت اور اجتماعی کاشتکاری کا مسئلہ در پیش ہوا لیکن حق ملکیت کی اصلاح کے لئے مختلف صوبوں اور معاشی دائروں میں حق ملکیت کے نظاموں کا باقاعدہ مطالعہ ضروری ہے۔

پھر مجلس میں املاک کے منتشر اور غیر اقتصادی ہونے کے سلسلے میں سوال اٹھا۔ یہ حقیقت ہے کہ منتشر املاک انتہائی طور پر غیر اقتصادی ہیں اور یہ بھی ملک کی مختلف لعنتوں میں سے ایک لعنت ہے۔ اور اگرچہ اس سلسلہ میں اکثر صوبے مختلف تدبیریں کر رہے ہیں۔ تاہم بہت زیادہ سرگرمی کی ضرورت ہے کیونکہ یہ تمام باتیں عوام کے مروجہ رواجوں اور عادتوں میں ایک قسم کی مداخلت سمجھی جائے گی۔ اس لئے یہ سب کچھ کرنے کے لئے انتہائی احتیاط اور مفید اور صحیح کارندوں کی ضرورت ہوگی تاکہ عوام کی ہمدردی کے پہلو بہ پہلو تمام منتشر املاک کو ایک بنا دیا جائے۔

ہندوستان میں آبادی کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے۔ یہاں مروجہ طریقوں سے آبادی کی روک تھام ناممکن العمل ہے اس لئے اس آبادی کیلئے زرعی پیداوار کو بڑھانے کا منصوبہ ہی زیادہ مناسب ہے۔ اور اس کے لئے اجتماعی کاشتکاری یا مربع بندی موزوں ترین عمل ہے۔

اسی مجلس میں لگان بر زمین اٹھانے کے طریقے کے بارے میں تبادلہ خیالات ہوا۔ اس پر سر اردشیر نے فرمایا کہ اس میں بہت دشواریاں ہیں۔ صوبائی حکومتوں سے استفسار کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ اس نازک دور میں اس مسئلے کو چھیڑنے کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ کاشتکاروں اور زمینداروں کے تعلقات خراب ہوں گے۔ ابھی حکومت مختلف تجارب سے یہ معلوم کرے گی کہ کون سا طریقہ زیادہ سے زیادہ پیداوار دے سکتا ہے۔

زمین سے فائدہ اٹھانے کے سلسلہ میں ایک کمیٹی مقرر ہو چکی ہے۔ جو اس سوال پر غور کر رہی ہے کہ ملک کے لئے زمین سے فائدہ اٹھانے کا ایسا بورڈ قائم کیا جائے جس کے ساتھ مختلف صوبوں کے دوسرے بورڈوں کا الحاق ہو سکے۔

ملک کی آئندہ بیروزگاری، کم روزگاری۔ مزدوروں کے حالات اور زمین کے لگان داری طریقے پر کاشت کرانے سے پیداوار پر جو اثرات پڑیں گے۔ ان کا مطالعہ حکومت توجہ طور پر کر رہی ہے۔ لیکن اہالی ملک کا بھی فرض ہے کہ وہ ان مسائل کو سمجھ کر اپنے ملک کے اقتصادی معیار کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔

میں ملت افاغنہ کے تمام نوجوانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ لہو ولعب کو چھوڑ کر میدان جہان کے آفاق کا متین مطالعہ شروع کریں۔ وہ دیکھیں کہ زمانہ کس رفتار سے آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ غور کریں کہ مختلف زمانہ کے ماتحت قومیں کیا کچھ کر رہی ہیں۔ افاغنہ کو ان اقوام میں اپنی جگہ کہاں مقرر کرنا ہے۔ اور اس جگہ کے حصول کے لئے انہیں اپنے لائحہ عمل کو کس طرح بدلنا اور بنانا ہوگا۔ یاد رکھئے اگر قوم افراد کے مجموعے کا نام ہے۔ تو کسی فرد کو بے راہ رو نہ ہونے دیجئے اور ایک نصب العین مقرر کرکے سب ہمہ باہم اس کی طرف بڑھتے جایئے۔

تبصرہ علی الحرب!

کیا مدعیان رہنمائی اقوام خود کے حقیقی رہنما ہیں؟

(گذشتہ سے پیوستہ)

جناب نواب صاحب ہوتی کا یہ مضمون تبصرہ علی الحرب کی دوسری اور آخری قسط ہے۔ تبصرہ علی الحرب سے پہلے نواب صاحب موصوف کا ایک مضمون پٹھان یا افغان کی بحث کے بارے میں "افغان" میں شائع ہو چکا ہے۔ تحقیق و عقیدہ کے سلسلہ میں ضروری نہیں کہ ادارہ کسی مضمون نگار کے خیالات سے متفق ہے چنانچہ "افغان" ہر قسم کے مخالف و موافق خیالات کے لئے چشم براہ ہے۔ "افغان" اس کے صفحات کو تبادلہ خیالات کا ذریعہ بنا سکتا ہے بشرطیکہ اس میں ادارے کی مجبوریوں کو نظر انداز نہ کیا گیا ہو۔ باقی زبان کے معاملے میں بعض اعتراضات موصول ہوتے ہیں لیکن ناظرین کرام کو یہ بات ذہن سے کو نہ کرنی چاہئے کہ گلگت اور راس کماری، قبائلی علاقوں اور بنگال کی زبانوں میں فرق ہونا لازمی ہے۔ اگر کوئی قلمی معاون بنگالی پشتو یا ملایالم میں سوچ کر اردو میں لکھیں تو ان کی کوشش کو تنقیدی نگاہوں سے گذر کر نا بیف داستان کے جذبات کو غیر مقدم کرنا نیا درد مناسب ہوگا۔ (ادارہ)

وہ پیشین گوئی یہ تھی۔ کہ اب جاپان قطعی طور پر اس لڑائی میں شامل ہوگا کیونکہ فوجی وزارت ہاتھا سوائے اس کے اور کوئی دلیل نہیں رکھتا کہ جاپان برسر مقابلہ آکر اپنے ہمراہیان جرمنی و اٹلی کے ساتھ شمولیت جنگ چاہتا ہے۔ اور میں نے بڑی پیشین گوئی کی تھی کہ وہ ہانگ کانگ، سنگاپور۔ ڈچ ایسٹ انڈیز بمعہ فلپائن۔ برما اور غالباً آسام پر جنگ شروع کر دے گا۔ اور اگر اس کے پاس آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے فتح کے واسطے کافی طاقت فوج رہی ہو۔ تو وہ ان کو بھی مفتوحہ ملک بنانے سے باز نہیں آئے گا۔

چونکہ جمہوری ممالک میں لوگ منتخب ہو کر ممبر بنا کرتے ہیں۔ اس لئے زمانہ آئندہ کے امریکن خیالات مغالطہ پیدا ہوں گے۔ اگر وہ اپنے پریذیڈنٹ روزویلٹ کی تصویر کو نہ سمجھ سکیں۔ بعض اوقات پریذیڈنٹ اپنی خواہشات کی تعمیل چاہتا تھا۔ اور بعض اوقات اپنی خواہشات کی رائے میں تبدیلی بھی اختیار کرتا تھا لیکن اس کا عہدہ اور کام عوام میں اور اس کی تقاریر اور احکام عوام کے واسطے ایک زبردست شیشہ ہیں۔ وہ صوبجات متحدہ امریکہ کی خواہشات اور دستاویزات کا ایک زبردست گواہ ہے

پریذیڈنٹ روزویلٹ کی پریذیڈنسی میں مندرجہ ذیل ہستیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱) مسٹر کارڈل ہل سیکریٹری آف اسٹیٹ۔
(۲) کرنل ناکس سیکریٹری بحری۔
(۳) ایڈمرل کنگ امیر البحر سمندری بیڑہ ممالک متحدہ امریکہ
(۴) مسٹر سمر ویلز اسسٹنٹ سکریٹری آف اسٹیٹ۔

مندرجہ بالا صاحبان مسٹر روزویلٹ کو اس کی جنگ کے عزم میں مدد دینے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

دولت عالیہ برطانیہ میں مسٹر ونسٹن چرچل بھی ایک نمایاں ہستی ہے جمہوری سیاست دانوں کی مانند اس نے اپنی زندگی میں ہمیشہ کثرت رائے کی تقلید نہیں کی۔

سنہ ۱۹۰۶ء میں جبکہ تمام دولت برطانیہ لبرل تھی۔ تو اس وقت وہ اپنے ملک کی کثرت رائے کے ساتھ شامل تھا۔ اور جبکہ سنہ ۱۹۱۴ء میں تمام ملک کی کثرت لڑائی کے واسطے تیار ہوا تو وہ بھی ان کے ہمراہ تھا لیکن جب لڑائی ختم ہوئی۔ اس وقت دونوں دولت انگلشیہ اور مسٹر چرچل کسی خاص نقطۂ نگاہ پر قائم نہیں تھے۔ اور دونوں کے خیالات متضاد تھے۔ لیکن جیسا کہ عرصہ گذرتا گیا اور جرمن خطرے نے ایک لمبا سایہ قائم کیا جس کو چرچل کی دوربین نظری نے دیکھا۔ مگر وہ ایام لارڈ بالڈوین کی آسائش کے سال،

[illegible]۔ اس وقت چرچل کی پیشین گوئی عوام پر کچھ چنداں کارگر نہ ہوئی۔ علاوہ اس وقت مسٹر چرچل کی آواز انگلستان کی آواز نہ تھی۔ لیکن جس وقت خطرات جرمنی محسوس ہونے۔ تو قوم نے ان لوگوں سے التجا کی۔ جن کو اس خطرے کا پہلے سے احساس تھا۔ اب تمام انگریز قوم نے چرچل پر لبیک کہا۔ اور اس نے قوم کا نمائندہ بن کر بولنا شروع کیا۔ اور قوم نے اس کی ماتحتی کو اپنی عزت سمجھا۔ جمہوریت کی گردشیں جس وقت تک ظہور میں نہیں آئی تھیں۔ اس وقت تک لوگ تیز فہم آدمیوں کے کہے سے نہیں اٹھتے تھے۔ عوام کی رائے فصیح مقرروں کے پیچھے تھی۔ اور فصیح مقرر دفتر میں بطور سید بٹھلا کر ان کے معترضوں کو خاموش کیا گیا۔ لیکن قوم نے خاموش شدہ ممبروں کو صحیح پاکر اپنی حکومت کی باگ ڈور مسٹر چرچل کے حوالے کی۔ اب وہ دولت انگلشیہ کی آواز ہے۔ اور اپنی مضبوط زبان اور صاف ارادت آنکھوں کے سامنے انگلستان کے عوام کی ہستی کا شیشہ ہے۔

مسٹر چرچل کی حکومت اور وزارت میں مندرجہ ذیل شخصیتیں نہایت اہم اور قابل ذکر ہیں۔

(۱) مسٹر ایڈن وزیر خارجہ۔
(۲) میجر ایٹلی وزیر مقبوضات۔
(۳) لارڈ ہیلی فیکس سفیر امریکہ۔
(۴) سر سٹیفورڈ کرپس لارڈ پریوی سیل۔
(۵) مسٹر الیگزنڈر امیر البحر۔
(۶) لارڈ گورٹ کمانڈر انچیف جزیرہ مالٹا۔
(۷) جنرل اچنلک کمانڈر انچیف مڈل ایسٹ۔
(۸) لارڈ لنلتھگو وائسرائے و گورنر جنرل آف انڈیا۔
(۹) جنرل ویول کمانڈر انچیف ہندوستان۔
(۱۰) سر جارج کننگھم گورنر صوبہ شمال مغربی سرحدی۔
(۱۱) سر ہنری کریک گورنر صوبہ پنجاب۔

اس موجودہ جنگ میں ہندوستان کے ثابت قدم رہنے اور صوبہ شمال مغربی سرحدی و صوبہ پنجاب کے باشندگان کی طرف سے ۱۰ لاکھ کی بڑی تعداد سپاہی دینے۔ اور دشمن کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے باعث لیبیا۔ ابی سینا۔ شمالی لینڈ۔ شام و عراق وغیرہ میں فتوحات و کامیابیوں کے حاصل ہونے میں لارڈ لنلتھگو وائسرائے و گورنر جنرل ہند بمعہ اپنے ہر دو موصوف بالا گورنران صوبہ شمال مغربی سرحدی و صوبہ پنجاب یعنی سر جارج کننگھم و سر ہنری کریک کی ذات اور ہر دلعزیزی خاص طور پر ذمہ دار ہے۔ اور ان کامیابیوں کی تہہ میں ہر سہ صاحبان موصوف کی زندہ تصاویر نظر آتی ہیں۔

آپ صاحبان سے یہ مخفی نہیں رہنا چاہئے کہ یہ وہ زمانہ ہے۔ کہ جس میں تمام بڑی بڑی پارٹیاں مثلاً کانگرس۔ مسلم لیگ۔ و دیگر منظم پارٹیاں اس جنگ میں کسی قسم کی حصہ دار نہیں ہیں۔ گزشتہ جنگ عظیم ہندوستان میں بوقت لارڈ چیمسفورڈ گورنر جنرل و سر مائیکل اوڈوائر و سر جارج روس کیپل کے زمانہ میں ہندوستان میں لڑائی کے برخلاف کوئی آواز تک موجود نہ تھی۔ لیکن اس لڑائی میں موجودہ وائسرائے صاحب و ہر دو گورنران سر جارج کننگھم و سر ہنری کریک کو سپاہی و چندہ مہیا کرنے کے لئے کافی سے زیادہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اور اس لئے میں موجودہ وائسرائے و ہر دو گورنران موصوف کی خدمات کو سابقہ گورنر جنرل و سابقہ گورنران پر بہت فوقیت دیتا ہوں۔ کیونکہ اس وقت سپاہیوں کی بھرتی میں سہولتیں میسر ہونے کے علاوہ چندہ جمع کرنا بھی نسبتاً بہت آسان تھا۔ کیونکہ اس وقت ایک تو مقابلہ میں کوئی مخالفت بھی نہ تھی۔ دوئم اس وقت اتنا زیادہ مالیہ و آبیانہ وغیرہ بھی نہ تھے۔ اور نہ اتنا بھاری انکم ٹیکس۔ سپر ٹیکس۔ سر چارج۔ ایکسس پرافٹ ڈیوٹی بمعہ لوکل ٹیکس ہائے میونسپلٹی ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ وغیرہ کا بوجھ رعایا پر اتنا گراں نہ تھا۔ مگر آج کل جبکہ مالیہ آبیانہ بھی زیادہ ہے۔ اور بھاری انکم ٹیکس۔ سپر ٹیکس۔ سر چارج۔ ایکسس پرافٹ ڈیوٹی و میونسپل و ڈسٹرکٹ بورڈ کے تمام قسم ٹیکسوں کا ناقابل برداشت بوجھ بھی غریب رعایا کی گردن پر موجود ہے۔ اور اس وقت ہندوستان میں بہ نسبت سابق جنگ کے غربت اور افلاس بھی ساٹھ فی صدی کی حد تک زیادہ ہو گئی ہے۔ اور اس کے علاوہ اس وقت نہ ہی دشمن کی طرف سے اتنا منظم و متواتر پروپیگنڈا موجود تھا۔ اور نہ ہی اس وقت جرمنی میں ڈاکٹر حبیب الرحمن و ڈاکٹر فاروقی و ڈاکٹر ملک عبدالرؤف جیسے قابل اشخاص پر بدایات سوبھاش چندر بوس جیسی ہستی کے جرمنی کے حق میں اور دولت انگلشیہ کے برخلاف زہریلے اثرات پھیلانے کے لئے موجود تھے۔

اجیت سنگھ جو کہ لالہ لاجپت رائے کے ساتھ ۱۹۰۷ء میں بعبور دریائے شور ہوا تھا۔ اس کی موجودگی اٹلی میں کافی زہر اگلنا اور دشنام دہی بھی گورنمنٹ کے خیرخواہاں کو ہر طرح بدنام کرنے میں استعمال کی جارہی ہے۔ راش بہاری گوش جو کسی زمانہ میں سردے ڈپارٹمنٹ ڈیرہ دون میں گورنمنٹ کا ملازم تھا۔ اور جو ۱۹۱۲ء میں لارڈ ہارڈنگ پر بم کا گولہ پھینک کر روپوش ہوا تھا۔ اس کی موجودگی دستی جاپان مغلط پروپیگنڈا بحق جاپان برخلاف دولت انگلشیہ بھی کافی رکاوٹیں پیدا کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں آزادی کی تمنا برادرانہ و مساویانہ سلوک کی بہر حقوق انسانی کی طلب گذشتہ جنگ سے تقریباً اسی فی صدی زیادہ مستحکم و ذہن نشین خلائق ہند ہے۔ ایسے حالات میں جنگ کے لئے کروڑوں روپیہ چندہ اکٹھا کرنا اور لاکھوں سپاہی مہیا کرنا بہ نسبت جنگ گذشتہ کے ہی زیادہ سخت اور دشوار کام تھا۔ باوجود ان سب دشواریوں و مشکلات کے سر جارج کننگھم و سر ہیڑ نیڈ کلینی صاحبان گورنران صوبہ سرحدی و پنجاب کا خصوصاً سپاہی مہیا کرنا اور جنگ کے واسطے چندہ جمع کرنا معہ دیگر گورنران صاحبان کے یہ ماتحتی لارڈ لنلتھگو وائسرائے و گورنر جنرل ہند کے نہایت قابل تعریف ہے۔

مندرجہ بالا چار مدبران عالم کے علاوہ اگرچہ موجودہ جنگ میں حکومت اٹلی بھی از طرف محوری دول شریک ہے۔ مگر بنیٹو مسولینی زبان کا بہت تیز اور رقابے مارنے والا شخص ہے۔ اور دونوں وہ اس کی قوم اٹالین عمدہ قسم کے نانوائی و آتش پیز اور اعلیٰ قسم کے قلفی فروش ہیں۔ اور میرے خیال میں اٹلی کی فوجی شہرت کا زمانہ زوال روسن امپائر پر ختم ہو کر تمام ہو گیا ہے۔ اس لئے وہ یعنی مسولینی اور اس کی قوم بموجب قانون قدرت اور گردش ایام فی زمانہ اس قدر بڑی شخصیت و قومیت نہیں رکھتیں۔

اتحادیوں کی طرف سے گو دولت روسیہ کا رئیس اعظم مسٹر اسٹالن اور مسٹر مولوٹوف وغیرہ موجود ہیں۔ مگر ان کی شخصتیں بھی اور دولت و اسلحہ وغیرہ بھی امریکہ و گریٹ برٹن کی مرہون منت ہیں۔ اس لئے ان کی شخصیتیں اور قومیت اس قابل نہیں ہو سکتیں۔ کہ ان پر دنیا کے چکر کا کچھ اثر پڑ سکے۔ اسٹالن اور مولوٹوف بڑے وزیر و سیاستداں ہیں۔ اور یہ انہی کی خوش انتظامی ہے۔ کہ جرمن کی لاتعداد اور تیار فوج کو بامداد جنرل ورشلوف اور جنرل ٹیموشنکو کے تقریباً دس ماہ کے عرصے دنیا کی باقی ماندہ بربادی اور فتوحات سے بند کر رکھا ہے اگرچہ ان جرنیلوں کی شخصیت بھی بلند درجہ کی ہے۔ مگر ان کی شجاعت اور بہادری مسٹر سٹالین اور مولوٹوف کی شمس کا عکس ہے۔ سٹالین و مولوٹوف دنیا کے مشاہیر میں ضرور شامل ہیں۔ مگر گردش عالم پران کی حرکات کا وہ اثر نہیں۔ جو کہ مذکورہ بالا چار مدبران عالم یعنی۔ ہٹلر، ٹوجو، روزویلٹ و مسٹر چرچل کا نمایاں طور پر نظر آرہا ہے ان کی چمک ان چار ہستیوں کے مقابلہ میں بہت ہی مدہم نظر آتی ہے۔

بقیہ پیکر حریت

صفحہ ۱۹

دفن ہو جاتے ہیں۔ مگر ان کا دیا ہوا فکر اور ان کے عمل کی روشنی کائنات میں ہمیشہ بسیط رہتی ہے۔ جو قومیں حیات کی منزل کی طرف بڑھ رہی ہوتی ہیں۔ وہ ان کھوئے ہوئے فکروں کے گہر کو پھر اسی خاک میں تلاش کرتے ہیں۔ اور ان کے عمل سے روشن چراغوں کو اپنے لئے مشعل راہ سمجھتے ہیں۔

حکیم الامت علامہ سید جمال الدین افغانی کے جسد اطہر کی واپسی سرزمین افغانستان کی تلاش منزل کی طرف ایک مبارک اور نیک سعی ہے۔ خاک کے انبار کا یہ سفر استنبول سے کابل تک ایک اہم نفسیاتی انقلاب انگیز عمل ہے۔ سرزمین افغانستان زندگی میں اپنے بطل حریت کی قدر و منزلت سے ناآشنا رہی۔ آج اس کے خاک مزار میں اپنے مستقبل کی تعمیر کی راہیں تلاش کر رہی ہے۔ کیا ملت افاغنہ ہند کے لئے اس خاک مزار میں درس حیات نہیں ہے؟

وا شگاف الفاظ کی دنیا ہمارے لئے تاریک ہے ساشاروں اور کنایوں کی تنگ اور پتھریلی وادیوں ہی میں سے ہمیں گذرنا ہے۔ کاش کہ ہم کنایوں کے اس دھندلکے میں اپنے مستقبل کو پہچان سکیں۔

پیکر حریت

(از جناب نورد افزی)

کشت حیات ملت میں، فکر، محض ایک بیج کا حکم رکھتا ہے اور اس کا پھل "عمل" ہے۔ جب تک "فکر" زینت ایوان دماغ رہتا ہے۔ اس اسباب و علل کی دنیا میں اس کی قدر و منزلت محتاج اعتراف رہتی ہے۔ اور جونہی یہی فکر ایوان دماغ کی خلوت گاہ سے نکل کر قبائے عمل اوڑھ لیتا ہے۔ دنیائے اسباب میں وہ ایک مستقل زندہ حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ تعزیرات فطرت کا یہ اٹل قانون آج اسی طرح اپنے لوائے حقیقت کو بلند کئے ہوئے ہے۔ جس طرح کہ آج سے ہزاروں سال پہلے بلند تھا۔ انسانوں کی دنیا میں اس قانون کی گرفت آج اسی طرح سخت اور اسی طرح مضبوط ہے۔ قومیں اسی قانون کے تحت بنتی اور بگڑتی ہیں۔ اور اقوام و ملل عالم کی تاریخ محض اسی ایک قانون کی تفسیر ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ جن قوموں نے اپنی زندگی کو اس قانون کے سانچے میں ڈھال لیا۔ وہ قومیں آج بھی زندہ قوموں کی صف اول میں ہیں۔ کیا افاغنہ ہند اس قانون کا احترام کر رہے ہیں؟ اس کا جواب ملت افاغنہ ہند کی پراگندہ اور منتشر زندگی ہمیں یہ دے رہی ہے۔ کہ وہ اس آئین فطرت کے احترام سے بے نیاز ہے۔

"افغان" "اتحاد ملت افاغنہ" کے بلند اور پاکیزہ "فکر" کو پیش کر رہا ہے۔ مگر کیا ہم متحد ہو چکے ہیں۔ ہماری تنظیم اور تربیت ہو چکی ہے۔ کیا ہمارا کوئی مرکزی ادارہ ایسا ہے جس سے افاغنہ ہند وابستہ ہوں۔ کیا ہماری زندگیاں کسی ایسے مرکزی ادارے کے قواعد سے منضبط ہو چکی ہیں۔ ان سب باتوں کا جواب ایک شرمناک داستان کے سوا کچھ نہیں۔

ہم کیوں متحد نہیں ہوئے؟ ہم میں کیوں زندہ قوموں کا سا نظم اور ضبط نہیں رہا۔ ہم اپنے ماضی کی شاندار روایات پر کیوں داغ بدنامی بن کر چھائے ہوئے ہیں۔ کیا اتحاد کا دارو آج ہمارے لئے بے اثر ہے۔ کیا تنظیم اور ضبط کی حیات بخش انقلابی قوتوں کی ہمیں ضرورت نہیں۔ کیا ہم میں زندہ قوموں کی دوڑ میں شریک ہونے کا ذوق نہیں رہا۔ کیا اب ہمیں تعمیر مستقبل سے بے نیاز ہو جانا چاہئے محض اعتراف درماندگی سے احساس فرض کی تکمیل نہیں ہوتی۔

ماضی کے مزار پر گریہ و شیون اپاہج قوموں کا وظیفہ ہے۔ ایوان مستقبل کی تعمیر زندہ قوموں کا شیوہ ہے۔ کیا ہم ماضی کے مزار پر مجاور بن کر رہنا چاہتے ہیں۔ یا ایوان مستقبل کے معمار۔ اس سوال کا خطاب ہر فرد ملت افاغنہ سے ہے۔

استعداد فکر ہم سے ابھی تک سلب نہیں ہوئی۔ البتہ استعداد عمل ہم میں مفقود ضرور ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آئیے اس کی وجہ تلاش کریں۔

اپنے گرد و پیش کے حالات کو ان کی حقیقی حالت میں قبول کر لینا اور اسی فضا میں اپنی عمر کے چند سال گذار دینا۔ ہر فرد ملت کے فقدان عمل کا اعلان کر رہی ہے۔ زندگی کی جدوجہد سے گریز "قناعت" کے غلط اور غیر اسلامی مفہوم کے سوا اور کچھ نہیں لیس للانسان الا ماسعی کے سبق کو بھلا دینے کی سزا عصمت بے چادری کی صورت میں ہمارے ہر عمل سے ظاہر ہے۔ مرکزی شخصیت اور اس کے روحانی فیضان نے ہمیشہ قوموں کی رہنمائی کی ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ مرکزی شخصیت اس جسد خاکی کے قالب میں ہی ظہور پذیر ہو۔ جس سے راستہ بھولی ہوئی قومیں اس کی رہنمائی میں اپنی منزل کو تلاش کریں۔ غیر اسلامی فضا کے اثرات نے ہمیں اجساد کی پوجا کی دعوت دی ہوئی ہے۔ مگر شاید ہم اسی آئین فطرت کو بھلا بیٹھے ہیں۔ کہ مرکزی شخصیتیں آب و گل کے قالب سے بے نیاز ہو کر بھی راہنمائی کی قدرت اور صفت سے متصف ہوتی ہیں۔ ان کے اجساد زمین کی تہوں میں

خطوط

مکرمی السلام علیکم

افغان کا ایک شمارہ ماہ فروری ۱۹۴۴ء میں ملا تھا جسے پڑھ کر مسرت ہوئی۔ مگر اس کے بعد پھر کوئی پرچہ ماہ نومبر تک نہیں ملا۔ بعد کے دو شمارے مطالعے سے گذرے میں آپ کے افغان کے مقصد کی تائید کرتا ہوں۔ برادری کی تحریک چونکہ ایک خاص گروہ کی خالص معاشرتی اور اقتصادی تحریک ہے۔ اس لئے مجھے اس میں شریک سمجھئے۔ جو عملی جدوجہد حقیقی معنوں میں کی جائے تو اس میں میری عملی تائید حاصل ہوگی

ہندوستان میں افغانوں کی آبادی تو کافی ہے مگر خوش قسمتی یا بدقسمتی ہے کچھ ایسی متفرق واقع ہوئی ہے۔ ان میں سے ہر ایک تک پہونچنا اور پھر سب کو ایک رشتہ میں منسلک کرنا دشوار اور سخت سعی طلب ہے۔ ایک امر ضرور ہمت افزا ہے۔ وہ یہ کہ ہماری برادری کا ذخیرہ روایات ایسا بلند اور عظیم ہے کہ ان کو یاد دلا کر ہم مستقبل کیلئے بیداری پیدا کر سکتے ہیں۔ جہاں جہاں افغانوں کی بستیاں ہیں۔ اون میں اب تک ان کی قومی خصوصیات کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے مگر اقتصادی بدحالی رفتہ رفتہ اس کو ختم کر رہی ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ اگر ٹھیک طریقہ سے کوشش کیجائے تو حالات بہتر ہو سکتی ہے۔ جو صاحب اس غرض کیلئے قدم اٹھائینگے وہ برادری کے شکریہ کے مستحق ہوں گے۔ والسلام

خیر اندیش :۔ (خان) شوکت علیخاں (بی اے علیگ ایم ایل سی یوپی)

لیفٹنٹ اشتیاق الرحمن خانصاحب۔

اٹلی میں کسی جگہ ۱۲ فرنٹیر فورس رجمنٹ میں دشمن کے خلاف سرگرم پیکار ہیں۔ آپ شیخوپورہ ضلع حصار کے رئیس ہیں۔ آپ نے ایک محترم افغان بزرگ کو ذیل کا پیغام بذریعہ ہوائی ڈاک ارسال کیا ہے۔ قارئین کرام کو اس خط کے کئی فقروں میں افغانی تیوروں کی جھلک نظر آئے گی۔

محترم خانصاحب!

مجھے افسوس ہے کہ میں نے جب سے سرزمین ہند کو الوداع کہا ہے۔ میں آپ کی خدمت میں کوئی عریضہ ارسال نہ کر سکا۔ اگرچہ میرے دل میں ہر وقت اس بات کی تمنا رہی۔ شاید آپ کو معلوم ہو کہ میں آج کل اٹلی میں کسی جگہ ہوں۔ میں بفضل ایزدی خیر و عافیت سے ہوں۔ میں نے ہر حال میں خدا کو اپنی مدد پر پایا۔ اس لئے مجھ پر کسی چیز کا خوف طاری نہیں ہوا۔ براہ کرم نئے سال کے لئے میری دلی مبارکباد قبول فرمایئے۔ یہ مبارکباد ہند اعظم کے تمام عظیم المرتبت جوانوں کی طرف سے ہے۔ دعا ہے کہ زندگی کے نایاب تحفے۔ مسرت، صحت، اقبال۔ کامرانی اور درازی عمر یہ سب چیزیں آپ کی اور آپ کے کنبے کی قدمبوس رہیں۔ خدا ہم سب کو کامرانی اور عمر دراز عطا فرمائے

آپ کا مخلص۔ اشتیاق

اخبار اور نوٹ

چار افغان کمیشن افسران

۱- لفٹیننٹ اشتیاق الرحمان خاں (مالیر کوٹلہ) اٹلی کے محاذ پر بڑی ہمت اور اولوالعزمی سے جنگی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ملک افغان کو انھوں نے انگریزی نوروز پر مبارک باد کا خط تحریر کیا تھا۔ جو اس پرچہ میں کسی دوسری جگہ شائع ہوا ہے۔

۲- کپتان فیض الرحمٰن خاں (ناگپور) اٹلی کے محاذ پر عرصہ آٹھ ماہ سے جنگی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس سے قبل وہ دو سال جزیرہ قبرص میں اپنی فوج کے ساتھ رہے۔ مگر اتحادیوں کی افواج جب اٹلی میں بھیجی گئیں تو وہ وہاں پر بھیجے گئے۔ ماہ اکتوبر میں وہ فوجی حرکت میں زخمی ہوئے۔ اب خبر آئی ہے کہ ان کو صحت ہو گئی ہے اور وہ دوبارہ اپنی فوج کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔

۳- یہ خبر موجب افسوس ہے کہ کپتان عبدالرشید خاں خلف خانصاحب عبدالحمید خانصاحب اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر (?) ماہ ستمبر میں زخمی ہوئے اور ان کا اسی حال میں انتقال ہو گیا۔ مرحوم اٹلی میں اپنی فوج کے ساتھ تھے سالرنو (?) حملہ کی حرکت میں زخمی ہوئے تھے۔ اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلیہ رَاجِعُون۔ ان کے والد صاحب سے ہماری ہمدردی ہے۔ خداوند کریم ان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(۴) جمعدار سردار عبدالرحمان خان صاحب شیروانی پٹھان کوٹ سے تبدیل ہو کر بہ محاذ جنگ برما (?) کی جگہ مقرر ہو گئے ہیں۔ آپ حضرت مولانا ثاقب میرزا خانی اشیرانی (?) مرحوم کے خلف اصغر ہیں۔ حضرت مولانا مرحوم ومبرور مجلہ افغان کے اولین قلمی معاونین میں سے تھے۔ چنانچہ افغان کے پرانے سالوں میں مرحوم کا پاکیزہ اور نصیحت آموز کلام بارہا چھپ چکا ہے۔

نواب صاحب محمد ابراہیم علی خاں صاحب نواب کنجپورہ حج بیت اللہ سے ۲۶ دسمبر سنہ ۱۹۴۳ء کو واپس اپنے وطن کنجپورہ تشریف لائے۔ برادری اور اہل قصبہ نے آپکا نہایت گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا۔ اور بخیریت اور فریضہ مذہبی کی ادائگی سے واپسی پر مبارکباد دی۔ پہلے خیر مقدم کا بڑا پروگرام رکھا گیا تھا۔ مگر خاندان میں ایک موت ہو جانے کے باعث اس میں حالات کے مطابق تخفیف کر دی گئی۔ برادری کی جانب سے اور اہل قصبہ کی جانب سے دو دعوتیں اس موقع پر نوابصاحب کو دی گئیں۔

نواب صاحب ممدوح نے اپنی ریاست میں ابتدائی تعلیم تمام مدرسوں میں مفت اور بلا فیس کر دی ہے۔ یہ اقدام مستحق تحسین و مبارک باد ہے۔

لبنان اور واشنگٹن میں عرب پروپاگنڈہ بیورو قایم کرنے کی تجاویز تقریبًا مکمل ہو چکی ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ فلسطین کی متحدہ عرب جماعتوں کے نمائندے موسیٰ العالمی قاہرہ میں ہونے والی اتحاد عرب کانفرنس میں بیورو کے قیام کے متعلق اپنی رپورٹ پیش کریں گے موصوف نے بہت سے ایسے نوجوان منتخب کرئے ہیں۔ جو بیورو کی جگہوں پر کام کریں گے۔ ان میں تین فلسطینی ہیں۔ اور ایک عراقی جس کا تعلق برطانیہ اور بین الاقوامی تحریک عمال سے ہے۔

آنریبل تمیزالدین خاں نے مسلم اسٹوڈنٹس یونین کی مذہبی کانفرنس فرمایا۔ کہ اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں ہے۔ بلکہ زندگی کا ایک مکمل قانون ہے۔ جس میں تمام انسانی سرگرمیاں شامل ہیں۔ انھوں نے افسوس کیا کہ مذہب کے معاملات میں طلبا کے درمیان عام بے حسی چھائی ہوئی ہے۔ انھوں نے یونین کو مبارک باد دی۔ کہ وہ ایک اہم کام کر رہی ہے۔

شام اور فرانس کے مابہ النزاع مسائل

شام کے وزیر اعظم فارس الخوری نے اعلان کیا ہے کہ شام اور فرانس کے درمیان فوج کا انتظام فرانسیسیوں سے لے لینے کے سلسلہ میں نیز دیگر اہم مسائل کے متعلق گفت و شنید شروع ہو چکی ہے۔ ؎

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

فلسطین کی آزادی پر فلسطینی عربوں کا بیان

فلسطین کی عرب پارٹی نے ایک بیان شائع کیا ہے۔ کہ فلسطین کے باشندے اور ممالک "عرب" فلسطین کے مسئلہ کا ایسا کوئی حل نہیں منظور کریں گے جو ان کے قومی مقاصد کے خلاف ہوگا۔ بیان میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا قومی مقصد "فلسطین کی آزادی" ہے۔ یہ بیان برطانیہ کے اس حالیہ اعلان کے سلسلہ میں کیا گیا ہے۔ کہ فلسطین کے متعلق جنگ کے بعد کوئی سمجھوتہ کیا جائے گا۔

لبنان فوج کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے گا

لبنان کے ایوان نائبین میں یقین دلایا گیا ہے کہ حکومت انتہائی کوشش کرے گی۔ کہ فوج کا انتظام فرانسیسی حکام سے اپنے ہاتھ میں لے لے۔ وزیر خارجہ ہنری فرعون نے اس امر کی تصدیق کی کہ اس کے متعلق فرانسیسی حکومت کو ایک یادداشت بھیجی جائے گی۔

مصری وفد کی یروشلم سے واپسی

مصری کامرس کالج کا ایک وفد یروشلم میں دو دن گذارنے کے بعد قاہرہ واپس آ گیا۔ اس وفد نے متبرک اور تاریخی مقامات کا معائنہ کیا۔ مصری قونصل جنرل نے وفد کو چائے کی دعوت دی

چوبیس ہزار سے زاید حاجی

حجاز سے جو حاجی سویز کے راستے واپس ہوئے ہیں ان کی تعداد ۲۳۲۷۷ ہے جن میں ۱۰۲۳۹ مصری حاجی بھی شامل ہیں۔

جو لوگ مصری سمندری راستے حجاز گئے تھے ان کی تعداد ۲۳۵۵۳ ہوتی ہے۔ واپسی میں حاجیوں کی تعداد میں جو اضافہ ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پچھلے سال بہت سے حاجی وہیں ٹھیر گئے تھے۔

فرانس اور لبنان کے تعلقات

ایوان مندوبین میں نئی حکومت پر اعتماد کی قرارداد پر جو مباحثہ ہوا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے وزیر اعظم عبدالحمید کرامی نے کہا۔ کہ انھیں امید ہے کہ فرانس لبنان کی آزادی کے لئے عملی امداد دے گا۔ انھیں بھروسہ ہے کہ فرانسیسیوں کی اکثریت نے لبنان کی آزادی کے لئے پوری پوری حمایت کی ہے۔ ؎

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

شام کے اساتذہ و طلباء مصر کا دورہ کریں گے

شام کے ثانوی اسکولوں کے اساتذہ اور طلباء مارچ کی چھٹیوں میں مصر کا دورہ کریں گے۔

دیہات سدھار کی اسکیمیں

زرعی تحقیقات کی شاہی کونسل کی سالانہ رپورٹ بابت ۴۳-۱۹۴۲ء میں ان دیہاتی اسکیموں کی کارگذاری پر تبصرہ کیا گیا ہے جن کا مقصد دیہات کے رہنے والوں کی معاشی اور غذائی حالت کو سدھارنا ہے۔ ۴۴-۱۹۴۳ء کے دوران میں یہ اسکیمیں جو ابھی ابتدائی مرحلوں میں ہیں بمبئی صوبجات متحدہ۔ سی پی اور برار اور ٹراونکور میں جاری کی گئی تھیں۔ ہر گاؤں ایک زراعتی اسسٹنٹ کے سپرد کیا گیا تھا۔ بعد میں ان اسکیموں کے دائرہ عمل میں غذائی حالات کے سدھار کا کام بھی شامل کر دیا گیا۔ اور فیصلہ کیا گیا کہ زراعتی اسسٹنٹ تقریباً ۲ ہفتے تک غذائی تحقیقاتی لیبارٹی کونور میں غذائیات میں مکمل تربیت حاصل کرے ان اسکیموں کی دوسری خصوصیت یہ تھی۔ کہ دیہات کے رہنے والوں کو فی ایکڑ پیداوار کو بڑھانے کے لئے آزمودہ زرعی تجربوں کے اختیار کرنے میں مدد دی جائے اور دیہات میں منڈیوں کے کام کو فروغ دیا جائے۔ ان اسکیموں کی ترقی کا حال ہی میں کونسل کی ڈیولپمنٹ ریسرچ کمیٹی نے جائزہ لیا تھا۔

مصری حکومت کے محکمہ معدنیات نے ان افواہوں کی تردید کردی ہے کہ زیرین مصر میں بحیرہ کے صوبہ میں تیل کے چشمے نکلے ہیں۔

جدید تدبیرات ملکی میں یہ امر مسلمہ ہے کہ جس ملک میں معدنیات کی دریافت ہوجاتی ہے۔ وہ ملک یا تو انتہائی خوش نصیب ہوتا ہے۔ یا بے حد بدنصیب جس طرح اگلے زمانے میں زرعی پیداوار ہی ایک ایسی چیز تھی۔ جو اقوام کے جدال کا باعث رہتی تھی۔ اور جس کی وجہ سے لاکھوں بدنصیب خانماں برباد ہوجاتے اور جو لوگ جہد للبقا کے معیار پر پورے اترتے وہ ایک جدید تمدن اور ایک نئی تہذیب کے بانی سمجھے جاتے۔ از منہ متوسط میں زراعت کا بدل تجارت ہوئی۔ ہر ملک کی سیاسیات پر اس کی تجارت اثر انداز ہوئی۔ تجارتی راستوں تجارتی منڈیوں کی خاطر ایک دنیا قربان کردی جاتی۔ اب ان دو مصائب بنی نوع میں ایک اقنوم ثالثہ اور پیدا ہوئی ہے اور وہ سینۂ گیتی کے مدفون خزینے یعنی معدنیات ہیں۔ اگرچہ انسان معدنیات سے ایک مدت مدید سے آشنا ہے۔ لیکن اس وقت اس کے لئے جتنی حرص اور اشتہا کا اظہار ہو رہا ہے ہرگز کبھی نہ ہوا تھا۔

معدنیات اگر کسی ایسے ملک میں دریافت ہوجائیں جسے ان سے کام لینے کا ڈھنگ نہ آتا ہو۔ تو اس کے لئے وبال جان بن کر رہ جاتے ہیں۔ موجودہ جنگ عظیم میں ہٹلر نے معادن ہی کی حرص میں کئی ممالک کو تاراج کیا اور اس سلسلے میں یہ جوع المعادن یہاں تک ترقی پذیر ہوئی کہ اس کی چشم آز اقصائے یورپ کے بعد ایشیائے کوچک اور ایران کے تیل کو گھورنے لگی۔ لیکن چونکہ اہالی روس کو اپنی معدنیات سے کام لینا آتا تھا۔ اس کے ایک ایک فرد کو تعمیری خودگری و خودنگری کا جنون تھا۔ ان میں بقائے بہترین کے راز کو سمجھنے کی اہلیت بدرجہ اتم پیدا ہوچکی تھی اس لئے ان پر ہر مخالف حربہ اوچھا پڑا۔

معدنیات کی دریافت محض کسی ملک کے لئے باعث فخر و بہجت نہیں ہونی چاہئے۔ جبتک اس ملک میں علم اور عمل کا دور دورہ نہ ہو۔ سرور کائنات نے بنی نوع کو جو پیام دیا تھا۔ وہ یہی تھا کہ تمہارے لئے زمینوں اور آسمانوں کے خزینے مسخر کردیئے گئے۔ بشرطیکہ تم ان سے کام لینا جانتے ہو۔ یہ حکم اپنی جگہ اٹل اور یہ آیات اپنی جگہ بیّن ہیں۔ لیکن مبارک ہیں وہ لوگ جو اس کی عملی تفسیر کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

زیرین مصر میں تیل کے چشموں کی افواہ کو اگرچہ بعض لوگوں نے جذبہ اسلامیہ کے ماتحت سرور و طمانیت کے کانوں سے سنا۔ لیکن دوربین نگاہیں اس دور سے خائف تھیں۔ جب کسی پنجہ ور اجارہ دار کی نظر حمایت ان علاقوں کے امن و عافیت کو برباد کردے۔ اہل مصر آج علوم متداولہ میں ان کے شاگرد ہیں جو کبھی علم و نظر میں ان کے سامنے زانوئے ادب طے کرتے تھے۔ تہذیب جدید کے معمار نے خشت اول کی بنیاد اپنی مصلحت کے عین مطابق کج رکھی ہے۔ ذہنوں پر مادیات کا مادی بھوت زیادہ سوار ہے اور اس تمام ہنگامے کی سنبھلی گردیں منزل کے نورانی کلس نگاہوں سے محو ہوئے جارہے ہیں۔ ایسی حالت میں تیل کے چشموں کا نکلنا آگ کے اور زیادہ قریب ہونا تھا

(بقیہ حیات کا نصب العین) (منو ۱۰ کے بعد)

ہندوستانی مسلمان اپنے مذہبی لٹریچر۔ اسلامی تاریخ اور تہذیب و تمدن سے کوچہ علمی کی اور بے پروائی کے اب تک بے بہرہ ہیں۔ محکومیت نے ان میں کمتر ذہنیت پیدا کردی ہے ہر قسم کی خامیاں اور انحطاط اس وقت بے حد نمایاں ہیں۔ ان کے ہر قسم کے معاملات زوال پذیر اور خراب نظر آتے ہیں۔ ہمارا یہ صحیح خیال ہے۔ کہ یہ سب اپنی ذاتی باتوں سے بے توجہی کا باعث ہے۔ اگر مسلمانوں نے اپنے مذہب اور اس سے پیدا شدہ تہذیب و تمدن کی حفاظت نہ کی تو ڈر ہے کہ بحیثیت قوم مسلمان کچھ بھی نہ رہیں۔ دوسری اقوام کی تہذیب اور علوم اختیار و حاصل کرنے سے ممکن ہے کہ محکوم ترقی یافتہ اقوام میں ان کا شمار ہونے لگے۔ مگر یہ اس تہذیب و تمدن کی قربانی ہوگی جس سے ان کا قومی امتیاز ابتک قائم رہا ہے۔ اس قربانی سے جو نقصان ہوگا وہ درحقیقت جماعتی عصبیت اور قومی زوال کے مترادف ہوگا۔ بااللمحذر

اصولِ معاملہ

(۱) افغان" ہر انگریزی مہینے کی پندرہ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) ماہنامہ موصول نہ ہونیکی صورت میں ۲۵ تاریخ تک اطلاع دیجئے بصورت دیگر پرچہ بلاقیمت نہ مل سکیگا

(۳) چندہ سالانہ پانچ روپیہ ہے۔ یہ رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجئے یہ آپکی جیب اور ہمارے وقت کو کفایت رہتی ہے

(۴) ہر موصولہ رقم کی رسید بھیجی جاتی ہے۔

(۵) ترسیل زر کا پتہ لودی اینڈ کمپنی، بازار فتحپوری چاندنی چوک دہلی۔

(۶) منی آرڈر کرتے وقت اپنا پورا پتہ صاف لکھئے نیز رقم کی تفصیل بھی درج فرمائیے۔

(۷) ترسیل مضامین کا پتہ دفتر افغان مٹیا محل بازار دہلی۔

(۸) دیگر دفتری خط و کتابت کا پتہ پختون خوا۔ بارہ ٹوٹی صدر بازار دہلی۔

(۹) خط و کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیے۔ اس کے بغیر تعمیل ارشاد میں انتہا وقت ہوتی ہے۔ (نمبر خریداری کسی نوٹ بک میں نوٹ فرمالیجئے)

(۱۰) نمونے کے پرچے کے لئے پانچ آنے کے ٹکٹ آنا ضروری ہیں۔

(۱۱) تازہ پرچہ آٹھ آنے (۸/)

ادارہ "افغان" دہلی

(مدیر اعزازی) جلال شیرانی

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی | یا بندۂ صحرائی یا مرد کہستانی

رسالہ افغان دہلی

ماہوار

جلد ۱۱ بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۵ء نمبر ۳

مجراگل افغان کے افکار!

۱۳

مجھکو تو یہ دنیا نظر آتی ہے دگرگوں | معلوم نہیں دیکھتی ہے تیری نظر کیا
ہر سینے میں اک صبح قیامت ہے نمودار | افکار جوانوں کے ہوئے زیر و زبر کیا
کر سکتی ہے بے معرکہ جینے کی تلافی | اے پیر حرم تری مناجات سحر کیا

ممکن نہیں تخلیق خودی خانقہوں سے
اس شعلۂ نم خوردہ سے ٹوٹے کا شرر کیا

(علامہ اقبال مرحوم)

ترسیل زر کا پتہ:- لودھی اینڈ کمپنی - بازار فتحپوری - چاندنی چوک دھلی

(سردار محمد حیات خان سلیمانی نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افغانی حیاتِ اجتماعیہ کا

ماہنامہ

"افغان"

دہلی

فہرست مضامین!

افغان گزٹ پہ کے لئے مزید ناموں کی گنجائش ہے۔احباب دلچسپی لیں۔تاکہ معلوم ہوسکے کون افغان بھائی کہاں متعین ہیں۔اور کون کیا کر رہے ہیں۔افغان گزٹ ملازمتوں ہی تک محدود نہیں۔اس میں کاروبار کی اطلاعات اور دوسری بھی بہبودیاں بھی شامل ہوسکتی ہیں۔

۶۸۶

رسالہ ماہنامہ افغان دہلی

جلد ۱۱ | بابت ماہ مارچ ۱۹۴۵ء | نمبر ۳

گذارش احوال

افغان کی باقاعدہ اشاعت کے سلسلہ میں ادارے کو جن مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے۔ وہ موجودہ ہنگامی حالات کے زیر نظر کچھ تعجب انگیز نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فراہمی کاغذ کا مسئلہ ایک حد تک طے ہو چکا ہے۔ لیکن طباعت کی دوسری دقتیں کچھ ایسی ہیں جو ناگزیر طور پر حائل ہوتی رہتی ہیں۔ اہل کتابت اور اہل طباعت کثرت کار کا اس قدر شکار ہو رہے ہیں کہ ان کے عذر ماننا پڑتے ہیں۔

ان سب حوارج سے بڑھکر ہمارے اپنے اہل قلم کی بے اعتنائی اور عدم توجہی ہمارے عزائم کا خون کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ادارے کے لئے افغان کے مختصر حجم کو چند گھنٹوں میں پر کر دینا کوئی صعب دشوار امر نہیں لیکن ایک ہی دو صاحبان کی تحریر خواہ کتنی ہی عرق ریزی اور جانفشانی سے لکھی گئی ہو۔ طبائع انسانی کو اکتا سکتی ہے اور وہ خوشگوار بوقلمونی جو رسائل کی جان ہوتی ہے۔ مجلہ اس سے عاری ہو جاتا ہے۔ ایک ہی دو صاحبان کا اسلوب بیان خواہ وہ کتنے ہی متنوع عنوانات کے سلسلہ میں آئے یکرنگی کی بے کیفی سے مبرا نہیں ہو سکتا۔

مجلہ افغان جب موجودہ ادارے کے تحت میں آیا۔ تو اس میں یہی کمی موجود تھی اور اب بھی باوجود متنوع عنوانات کے وہی بات نمایاں نظر آتی ہے۔ اکثر احباب کے خطوط جس میں موجودہ صورت کو تبدیل کرنے کی تجویزیں فرمائی جاتی ہیں موصول ہوتے رہتے ہیں لیکن افغان برادری اپنی سہل نگاری کی مسند سے ذرا جنبش نہیں کرتی۔ بارہا اہل قلم حضرات کی توجہ اس طرح مبذول کرائی جاتی ہے کہ وہ کوئی رشحہ قلم "افغان" کے لئے بھی وقف فرمادیں لیکن ان کا سکوت روز افزوں جانکاہ ہوتا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے تحریر فرمایا کہ ان کے پاس "افغان" کے لئے کچھ مضامین موجود ہیں۔ لیکن جب انھیں ترسیل مضامین کی زحمت دی گئی تو ہماری آواز صدا بصحرا ثابت ہو کر رہی۔

فطرت انسانی کا اقتضا ہے کہ مزدور خوشدل کند کار بیش لیکن تعجب ہے اس برادری پر جس کا مزدور اس کے افراد سے نظر استحسان کا طالب ہو اور وہ برادری "دامے قدمے" سے قطع نظر "قلمے" سے بھی دریغ کرے۔ "افغان" افاغنہ ہند کا واحد مجلہ اور مشترک آواز ہے۔ اس کے صفحات سب پٹھانوں کے خیالات کے لئے وقف ہیں۔ آپ اپنے خاندان کے وہ حالات جو مرور زمانہ سے مٹتے اور طاق نسیان کی زینت بنتے چلے جاتے ہیں۔ افغان کو لکھوائیے۔ ہر ایک برادری میں چند ایسے عمر رسیدہ بزرگ ابھی موجود ہیں جن کی نگاہوں میں عظمت رفتہ کی آخری ہچکیوں کی تصویریں رقصاں ہیں ان سے بات کو وہ دمن کے ان زریں اوراق کو مزین کیجئے۔ جن کی تابندگی آپ کی آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ کا کام دے گی۔ ورنہ وہ دن دور نہیں جب وہ سینے جن میں یہ بکھرے موتی مکنون ہیں۔ قیامت تک ڈھونڈے نہ ملیں گے۔

مجلہ "افغان" میں اسی ذیل کے ماتحت ایک مستقل عنوان دفتر پارینہ کے نام سے جاری کیا گیا ہے۔ جس میں اس سلسلہ کی پہلی کڑی شریک اشاعت ہو رہی ہے۔ پٹھان خاندانوں میں اس قسم کے سینکڑوں واقعات سینہ بسینہ چلے آرہے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان واقعات کو سنکر افغانی تیوروں کی غبار آلود تصویریں بے نقاب ہو کر نگاہوں میں پھر جاتی ہیں۔ اور تہور۔ تدبر۔ شجاعت۔ عظمت حیا اور شہامت جیسے اوصاف حمیدہ تہذیب جدید کے خنک اور خشک اثرات کو کافی دیر کے لئے محو کر دیتے ہیں۔ قارئین کرام کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ حیات افغانی کی ان بھولی بسری داستانوں کی تدوین میں امداد دیں۔ اگر کسی افغان قریہ میں صاحبان تصنیف کی عدم موجودگی کی وجہ سے یہ خیال ہو کہ بزرگوں کی حیات کا کوئی خاص پہلو کسی خاص مضمون کی صورت میں ادارہ افغان کو بھیجا نہیں جا سکتا تو مناسب ہو کہ ضروری واقعات کا معمولی خاکہ ارسال فرما دیا جائے۔ ادارہ خود مضمون کی تکمیل کر کے "افغان" میں شائع کر دے گا۔ اور اس طرح روایات کہن کا بے پناہ سرمایہ دستبرد زمانہ کا شکار ہونے سے بچ جائے گا۔

اکثر احباب نے ادارے کو زبانی اور تحریری طور پر توجہ دلائی

ہے۔ کہ ملت افاغنہ کی مجلس شوریٰ جس کا سہرا افاغنہ لدھیانہ کے سر رہا۔ ایک ہی انعقاد کے بعد خواب گراں میں چلی گئی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ادارہ پر زور دیا جا رہا ہے کہ ایک دو مجلس شوریٰ کا انتظام کیا جائے لیکن موجودہ بےحسی اور عدم التفات کی بنا پر ادارہ صرف یہی خدمت ادا کر سکتا ہے کہ آپ اپنے خیالات کو خود قوم تک پہونچائے ادارہ اس خدمت کو بجا لانے پر فخر کرے گا۔ اور اگر قوم نے کسی متفقہ فیصلے کے ماتحت اپنی زندگی کا ثبوت دیا تو ادارہ ہر اس خدمت کیلئے بھی تیار ہے جو اجلاس مجلس کے سلسلہ میں اس سے طلب فرمائی جائے۔

گذشتہ کاپیوں کے اس ذکر کے بعد ادارہ اپنے بعض محترم کرم فرماؤں کی خدمت میں ہدیہ تشکر و امتنان پیش کرتا ہے۔ جن کی توجہات ادارہ سے امید ہو چلی ہے کہ افغان کا اب تشنۂ منیا ہوکر نہیں رہ جائے گا۔

خان احمد احمد خانصاحب الم ٹکس ایڈوائزر گورنر سی پی۔ سردار محمد یعقوب خاں صاحب ایڈوکیٹ لدھیانہ۔ خان اشفاق حسین خاں صاحب جاگیردار سامرگوٹہ۔ خان ریاض خاں صاحب ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس گوہانہ رہتک۔ خان بہادر شاہ عالم خانصاحب ایم اے ایل ایل بی ڈائرکٹر محکمہ تعلیم پشاور۔ اور اسی طرح دوسرے احباب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اگر یہ سوا افاغنہ میں یہ جذبہ عام پیدا ہو جائے۔ اور وہ نگاہ وسعت پر نظر فائر ڈالنے کی زحمت گوارا کریں تو کوئی وجہ نہیں

کہ غفلت کبھی ہم سے کوسوں دور نہ ہو جائے۔

مجلہ پیش نظر میں افاغنہ کے جوہر فرد حضرت مولانا سید جمال الدین افغانی مرحوم کی حیات گرامی کے واقعات دیئے گئے ہیں۔ اسلامی ممالک کی موجودہ بیداری۔ وفاق المسلمین کی تحریک اقبال کا پیغام یہ سب اسی مہر درخشاں کی کرنیں ہیں جس پر قبیلہ افاغنہ کو خصوصاً اور ملت بیضا کو عموماً ناز و تفاخر ہے۔

افغان میں ایک مستقل عنوان علوم جدید اور قائم کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین کرام اس سلسلہ کو پسند فرمائیں گے۔ اگرچہ آج کے علوم میں سے کوئی ایسا علم نہیں جسے دنیائے اسلام نے اپنی سرپرستی میں اپنے زمانے کے لحاظ سے معراج کمال پر نہ پہونچایا ہو۔ پھر بھی دوسری اقوام نے اسے جہاں تک پہونچایا ہے۔ اس کے علم سے بھی ہمیں بے بہرہ ہونا مناسب نہیں علوم جدید کے دنیاوی پہلو کی حرص و رغبت نے اقوام متمدن کا جو حال کیا ہے وہ یقیناً عبرت ناک ہے لیکن اگر ہم خذ ما صفا کے ارشاد گرامی پر عمل پیرا ہوکر علوم جدید کے حصول میں ساعی رہیں۔ اور اس طرح تسخیر کائنات کے ساتھ ساتھ خیر و برکت اور تسلیم و رضا کے اصولوں پر بھی کاربند رہ سکیں تو الدنیا والآخرہ میں فائز المرام ہوکر قرون اولیٰ کے مسلمان کے دوش بدوش جہانگیری کر سکتے ہیں۔

اخبار و آراء

ڈاکٹر خانصاحب نے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالتے ہی سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خاں کی رہائی کے احکام جاری کر دیئے ان کے علاوہ اسمبلی کانگریس پارٹی کے چار ممبروں کی رہائی کے بھی احکام جاری کر دیئے۔

علیگڈھ میں یوم پاکستان پاکستان کے بڑے علاقے جنہیں پاکستان کا زیادہ فائدہ پہونچ سکتا ہے خدا کی قدرت وہی اس کی قدر پہچاننے میں کوتاہی دکھا رہے ہیں۔ اور جن کے لئے کوئی امکان نہیں وہ اسے کتنی اہمیت دے رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ ہندو اور مسلم تہذیب و تمدن بالکل دو الگ چیزیں ہیں گئی۔ وسال کی انجذابی کوششوں کے باوجود ان میں وہ ربط ضبط قائم نہیں ہو سکا۔ جو ایک متحدہ قوم میں ہونا ضروری ہے بالفاظ دیگر یہ دونوں قومیں ایک قوم نہیں بن سکتیں۔ اور جن مسلمانوں کو ہندوؤں کی اکثریت میں رہنے کے اتفاقات رہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ ہندوستانی مرکزی حکومت کیا ہوگی۔

کیا صوبہ سرحد میں اتنا قحط الرجال ہو گیا ہے کہ ان کھلے حقائق کی روشنی میں مسلمان مسلمان کے سینے سے جاکر نہیں مل سکتا۔ یا حیرۃ

افغان ملٹی مشن دہلی آیا ہوا ہے۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ اس نے جامعہ ملیہ میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا۔ خان بشیر حسین خاں صاحب الم ٹکس افیسر افغان مشن کے دورہ جامعہ کے موقع پر مدعو تھے۔ خانصاحب ممدوح "افغان" اور اس کی امداد کے سلسلے میں جس جوش اور ہمدردی سے ساعی ہیں ہم اس کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ اس موقعہ پر افاغنہ ہند کی مناسب نمائندگی ہوئی۔

سردار محمد شفیع خاں نے امپیریل ہوٹل میں مشن کو مورخہ ۲۰ مارچ کو ایٹ ہوم دیا۔ حاضرین میں اکثر معززین شامل تھے۔

احیاءِ اسلامی کا علمبردار

مولانا سید جمال الدین حسینی الافغانی !!!

مولانا سید جمال الدین کی سوانح عمری لکھنے والے کی نگاہیں جب تک افغانستان، ایران، ہندوستان، مصر، انگلستان، روس، فرانس اور ترکی کے دفاتر خارجیہ کے کاغذات کا مواد نہ اس وقت تک سید حیات اسلامی کے اس رہنما کی تاریخ حیات تشنۂ تکمیل ہی رہے گی۔ آپ اپنے عہد کی استبداد پسند حکومتوں کی نگاہ میں اکثر کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے آپ جہاں کہیں تشریف لے گئے وہاں کے سیاسی حلقوں میں ایک بحرانی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ اور آپ کے کارہائے نمایاں سے حکومتوں میں ایک ہلچل پڑ جاتی تھی۔

چونکہ مولانا موصوف کی سوانح حیات ممالک اسلامیہ کی جہد آزادی کی تاریخ ہے اس لئے اس کام کا بیڑا اٹھانے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان ممالک کے ارتقاء آزادی سے بھی کماحقہ واقف ہو۔ تاہم قارئین افغان کے لئے سید صاحب موصوف کے کچھ حالات قلمبند کئے جاتے ہیں۔ اس مختصر رسالے میں سید صاحب کی مفصل سوانح حیات کا تو سان گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن آپ کے بارے میں جس قدر مختصر مگر جامع الفاظ میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے مصر کے مشہور مصنف اور مورخ جرجی زیدان کی کتاب مشاہیر الشرق سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی سلسلے میں ابوالمحاسن مولوی محمود علی خاں صاحب نے بھوپال سے ایک کتاب تاریخ افغانستان شائع کی اس میں صاحب موصوف نے سید صاحب ممدوح کے سوانح تحریر فرمائے اور چند ایسے واقعات بھی تحریر فرمائے جو مشاہیر الشرق میں نہ تھے۔ مذکورالصدر کتابوں کے استفادہ کے علاوہ اس مضمون میں کچھ اور اہم واقعات بھی درج کئے گئے ہیں۔

سید جمال الدین ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۹ء میں اسعد آباد میں پیدا ہوئے یہ جگہ افغانستان کا مشہور مقام ہے۔ اس میں اور اس کے نواح میں سادات حسینی بڑی کثرت سے آباد ہیں۔ یہ لوگ تمام افغانستان میں بہت محترم خیال کئے جاتے ہیں۔ اس خاندان کو اس بات کا فخر حاصل ہے۔ کہ سید صاحب ممدوح ان کے مایہ ناز فرد تھے۔ آپ کے پدر بزرگوار سید صفدر کا سلسلہ نسب مشہور محدث سید علی ترمذی سے جا ملتا ہے۔ اور چند پشتوں کے بعد حضرت امام حسینؓ تک جا پہنچتا ہے۔

اگرچہ آپ کا تمام خاندان ضلع کنڑ (افغانستان) ہی میں آباد رہا۔ لیکن بعض وجوہ کی بنا پر آپ کے والد ماجد نے ترک وطن فرمایا اور کابل میں اقامت اختیار فرمائی۔ اس زمانے میں سید صاحب موصوف بہت صغیر سن تھے۔ فاضل بزرگ نے ہونہار سپوت کی تعلیم کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور سید جمال الدین اٹھارہ ہی سال کی عمر میں تمام علوم مروجہ فقہ۔ کلام۔ تفسیر۔ الہیات۔ طبیعیات۔ حساب۔ ہندسہ۔ ہیئت وغیرہ علوم میں ماہر و کامل ہوگئے۔ اور اچھے اچھے عالم آپ کی ذہانت و فطنت کے قائل ہوگئے۔

لیکن سید ممدوح اپنے حاصل کردہ علم سے کچھ زیادہ مطمئن نہ تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے والد محترم کو اس امر پر باصرار آمادہ کیا کہ وہ آپ کو ہندوستان میں بھیجیں۔ بالآخر شفیق باپ نے ہونہار فرزند کی استدعا کے مطابق سفر کا سامان تیار کرکے ہندوستان کے دور دراز سفر کے لئے رخصت کیا۔ سید ممدوح ہندوستان تشریف لائے اور یہاں جدید اصول کے مطابق ریاضی کا مطالعہ از سر نو کیا۔ ریاضی کی تکمیل کے بعد عروج پذیر اور انقلاب پسند طبیعت نے سفر حجاز پر آمادہ کیا۔

سید صاحب کی پیدائش کا زمانہ وہ زمانہ تھا۔ جب یورپین اقوام ممالک اسلامی پر اپنا تسلط جما رہی تھیں۔ استعمار یورپ ایران پر اپنے دانت تیز کر رہا تھا۔ وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کو روسی شہنشاہیت کی قربان گاہ پر ذبح کیا جا رہا تھا۔ فرانس مراکش کو لقمہ بنا رہا تھا۔ اور دول یورپ کے بڑے بڑے "نباض" یورپ کے مرد بیمار کی جراحی پر تلے ہوئے تھے۔ یہ دن اسلامی تاریخ کے تاریک ترین ایام تھے۔ ان حالات کا تقاضا تھا کہ ایسے میں کوئی ہستی منصۂ شہود پر جلوہ گر

ہوکر اسلامی آزادی و جمہوریت کے لئے مشعل راہ ثابت ہو۔

سید صاحب ممدوح کی تربیت ایسے ملک (افغانستان) میں ہوئی تھی۔ جس میں انقلاب پوری پوری بحرانی کیفیات سے رونما ہو رہا تھا۔ اس لئے آپ کو سیاسیات کی ابتدائی تعلیم اپنے ہی وطن میں حاصل ہوئی۔ لیکن اس وقت ان کی حالت ایسے آدمی کی تھی جو کھیل دیکھ رہا ہو اور خود کھیل میں شامل نہ ہو۔ حج بیت اللہ کو جانے سے پہلے آپ ہندوستان میں ایک سال کچھ اوپر عرصہ کے لئے ٹھہرے۔ یہ ہی وہ دن تھے۔ جب آپ نے سیاسیات عالم کو زیادہ نزدیک ہو کر دیکھا اور ہمیشہ کے لئے میدان سیاست میں کود پڑے۔ ہندوستان میں آپ کے قیام کا زمانہ ۱۸۵۶ء تھا۔ اس مختصر قیام کے دوران میں آپ نے غلام قوم کے گہرے ناسوروں کو دیکھا۔ انھیں ناسوروں کے اثرات نے انھیں جہد للبقا کی دعوت دی۔

۱۸۵۷ء میں جب ناکام انقلاب کا ہنگامہ دار و گیر برپا تھا۔ آپ بیت الحرام میں ملت بیضا کی بہبود کے لئے دست بدعا تھے۔ ارض حجاز میں آپ ایک سال کے لگ بھگ زدکش رہے۔ جب آپ اس مختصر قیام کے بعد مراجعت فرمائے وطن ہوئے تو اس وقت امیر دوست محمد خان کا زمانہ تھا۔ سید صاحب ممدوح کو وزیر اعظم کے ذمہ دار عہدہ پر فائز کیا گیا۔ یہ مقام بلند بجائے خود سیاست و حکمت عملی کی درسگاہ تھا اس جگہ کے حصول کے بعد سید نے استعمار مغرب کو نہایت قریب سے سمجھا۔

جب امیر دوست محمد خاں کے بعد ان کے بیٹے امیر شیر علی سریر آرا ہوئے۔ تو ان کے وزیر محمد رفیق خاں نے مشورہ دیا کہ استحکام حکومت کے لئے باقی دعویداران سلطنت کا قتل ضروری ہے۔ امیر شیر علی خاں کے دوسرے بھائی جو سلطنت کے دعویدار ہو سکتے تھے۔ مختلف افغانی صوبوں پر حاکم تھے۔ سب بھائی اس امر کی اطلاع پاتے ہی اطراف ملک میں پناہ گزیں ہوئے۔ آخر تمام افغانستان خانہ جنگی کے شعلوں کی لپیٹ میں آکر رہا۔ سید جمال الدین اس وقت امیر شیر علی خاں کے مخالف بھائی محمد اعظم خان کی مدد پر تھے۔ کچھ معرکوں میں محمد اعظم خاں اور ان کے بھتیجے عبدالرحمن خان کو فتح حاصل ہوئی حتیٰ کہ کابل بھی ان کے قبضے میں چلا گیا۔ اس فتح سے عبدالرحمن خاں کے باپ محمد افضل کو قید کے تاریک قبول سے نکال کر جلوہ آرائے مسند کیا گیا۔ ابھی ایک سال حکومت کرنے نہ پائے تھے۔ کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اب محمد اعظم خاں نے تخت سنبھالا۔ سید جمال الدین نے چونکہ محمد اعظم خاں کی مدد کی تھی۔ اس لئے وہ مراحم خسروی کے مورد ہوئے۔ اور وزیر اعظم بنائے گئے۔ امیر تمام اہم مسائل میں ان سے مشورہ لیتے تھے۔ اور اگر وہ اسی طرح ان کے مدبرانہ مشوروں پر عمل پیرا رہتے تو افغانستان کی عنان حکومت ہرگز ان کے ہاتھوں سے نہ جاتی۔ حکومت میں ناتجربہ کار نا اہل اور کم عمر لوگوں کو اہم خدمات سپرد ہونے لگیں۔ آخر شاہی فوج نے ہرات پر فوج کشی کر کے شکست کھائی اور یہی شکست زوال حکومت کا سبب بنی۔

افغانستان کی حکومت محمد اعظم کو چھوڑنا پڑی۔ سید جمال الدین اس پرآشوب زمانہ میں کابل ہی میں رہے امیر شیر علی خاں نے ان کی خاندانی وجاہت کی وجہ سے علانیہ کوئی نقصان نہ پہونچایا۔ مگر انتقام کے لئے خفیہ ریشہ دوانیاں ہوتی رہیں۔ سید صاحب نے امیر سے حج کی اجازت لی لیکن شرط یہ ٹھیری کہ سفر ایران کے راستے سے نہ ہو کیونکہ امیر اس بات سے خائف تھا کہ کہیں سید صاحب پھر محمد اعظم سے نہ جا ملیں۔ چنانچہ آپ ۱۸۶۹ء میں پھر سفر حجاز کے ارادے سے ہندوستان آئے۔

سید جمال الدین چونکہ افغانستان کے وزیر اعظم رہ چکے تھے۔ اس لئے ۱۸۵۷ء کے بعد کے پیدا شدہ مسائل کے سلسلے میں ان کو بڑی سیاسی اہمیت دی گئی۔ لیکن تمام اعزازات اور احترامات کے باوجود ہندوستان میں زیادہ عرصے تک ٹھیرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ ہندوستان میں ان کے ایک ماہ کے قیام کے عرصہ میں ان کی سخت نگرانی رہنے لگی۔ حتی الامکان علما اور با اثر لوگوں کو ان کی ملاقات سے روکا جاتا تھا۔ آخر ان کو ایک جہاز میں سوار کر کے سویز پر پہونچا دیا گیا۔ وہاں سے آپ مصر گئے۔ آپ کا یہ سفر سیاسی لحاظ سے بڑا اہم تھا۔ گویا ایک ایسی زبردست حکومت نے جو اس وقت وفاق اسلامی کو سب سے زیادہ معاندانہ نظر سے دیکھتی تھی۔ ایک ایسے شخص کو جو وفاق اسلامی کا سب سے بڑھ کر علمبردار تھا۔ خود ایسے میدان میں پہونچا دیا۔ جہاں اس نے اپنی تمام عمر مغربی حکمت عملیوں کے خلاف سرگرم پیکار ہو کر گذاری۔

مصر میں آپ کا قیام دو ماہ تک رہا۔ اس زمانہ کی سیاسی اجارہ داری نے آپ کے طویل قیام مصر کو گوارہ نہ کیا۔ آپ وہاں کی مشہور مذہبی یونیورسٹی جامعہ ازہر میں بالالتزام جایا کرتے تھے۔ وہاں کے اساتذہ اور طلبہ آپ کی صحبت کو نعمت غیر مترقبہ خیال کرتے تھے۔

سید صاحب کا ارادہ حجاز تشریف لے جانے کا تھا۔ لیکن بعد میں آپ قسطنطنیہ تشریف لے گئے۔ اس زمانے میں وہاں ملوکیت اور طلب منفعت کی سیاسی چالیں زوروں پر تھیں۔ شخصی استبداد یہاں تک پہونچ گیا تھا۔ کہ اس کے ردعمل میں آزادی کی روح بیدار ہو چکی تھی۔ مدحت پاشا علی فواد پاشا جیسے جمہوریت کے شیدائی

میدانِ عمل میں سرگرم کار ہو رہے تھے۔ رشید پاشا کی تحریک پر منشور حکومت منظور ہو چکا تھا۔ مدحت پاشا شوریٰ کے صدر منتخب ہوئے۔ سید موصوف کا داخلہ قسطنطنیہ کا زمانہ ان سرسری اصلاحات کا دورِ اولیٰ تھا۔ آپ کی اصلی سیاسی زندگی کا آغاز قسطنطنیہ کا زمانہ تھا۔

ترکی میں سید صاحب ممدوح عام پبلک کے محبوب ثابت ہوئے۔ اور یہ ہر دلعزیزی درمیانی طبقے سے گذر کر سرکاری حلقے تک وسیع ہو گئی۔ اس سیاسی زندگی کے اوائل میں سید کو پہلی مرتبہ جس چیز کا احساس ہوا وہ جبہ و عمامہ کی بالادستی تھی۔ انیسویں صدی میں ایران اور ترکی رجعت پسند علما کا محکوم تھا۔ اور شیخ الاسلام خدائی حکومت میں برابر کے شریک تھے۔ غرض ترکی میں پہونچکر کچھ عرصے کے بعد آپ کی ملاقات وزیرِ اعظم عالی پاشا سے ہوئی۔ جب وزیرِ اعظم کو آپ کے فضل و کمال کا علم ہوا تو اس نے مدارات کی۔ آپ اس وقت تک افغانی لباس زیبِ تن فرماتے تھے۔ آستانے کے علماء و فضلا آپ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے اور چند روز میں آپ کی شہرت ایسی پھیلی کہ آپ قسطنطنیہ کی مجلسِ علمی کے ایک رکن مقرر ہو گئے۔

آپ نے ترکی میں تعلیم کو عام کرنے کی تجویز پیش کی۔ لیکن اس تجویز کے نفاذ کا طریق کاران کے رفقا کو پسند نہ آیا۔ آپ نے فلسفہ مذہب کے مفہوم کو بلند اور وسیع کر کے اس کی صحیح ترجمانی کی۔ اور خواجہ تحسین آفندی جیسے عالی مرتبت شخص کو جو جامعہ قسطنطنیہ کے صدر تھے متاثر کر دیا۔ اسی طرح منیف پاشا وزیرِ تعلیمات اور سلیمان بلی کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ یہ چیز شیخ الاسلام کے شخصی اقتدار پر کاری ضرب تھی۔ اس لئے انھوں نے اپنے ذاتی مصالح کی بنا پر اس تجویز کی سخت مخالفت کی۔ شیخ اور اس کے ہم خیالوں نے سید صاحب کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو دیکھا کہ وہ رجعت پسندوں کے خلاف ایک جدید خیال اور سیاسی ہستی ہیں تو یہ سب لوگ آپ پر شخصی حکومت کے شدید مخالف ہونے کا الزام لگا کر آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کے خلاف حکومت کو بھڑکانے کے لئے موقع کے منتظر رہنے لگے۔

۱۸۷۱ء میں صدرِ دار الفنون نے آپ سے درخواست کی۔ کہ وہ دار الفنون میں صنعت و حرفت کے فوائد پر تقریر فرمائیں۔ آپ ترکی زبان میں زیادہ دسترس نہ رکھتے تھے۔ لیکن صدر کے اصرار پر آپ نے ایک طویل خطبہ تحریر فرمایا اور پڑھنے سے پہلے آستانے کے اماکین کو دکھا دیا۔ چنانچہ انھوں نے اس کو بہت پسند کیا۔

خطبہ کے روز دار الفنون میں لوگوں کا اژدحام ہو گیا۔ اور اراکین سلطنت ارباب مناسب۔ علماء۔ اخبارات و رسائل کے مدیر اور عوام کی بھیڑ لگ گئی۔ سید صاحب ممدوح نے منبرِ خطابت پر چڑھ کر ایسا خطبہ دیا۔ جسے سنکر تمام لوگ حیران و ششدر رہ گئے۔ آپ نے تمثیلی طور پر کائنات کو ایک جسم فرض کیا اور بتلایا کہ تمام پیشہ ور اس جسم کے اعضا ہیں۔ بادشاہ دماغ ہے۔ مزدور ہاتھ ہیں۔ کسان جگر کا کام دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور کائنات کے اس جسم میں روح پیغمبر یا فلسفہ سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن پیغمبری خدا کی دین ہے۔ اور فلسفہ اکتسابی چیز ہے۔ اس خطبہ کو مخالف گروہ نے یہ رنگ دیا۔ کہ یہ سب باتیں پیغمبری کے دعوے کا پیش خیمہ ہیں۔ علما نے اپنا بھرپور وار کیا اور سید صاحب ممدوح پر کفر کا فتویٰ صادر کر کے اس فتویٰ کو اقصائے سلطنت میں شائع کر دیا۔ سلطان پر ثابت کیا گیا۔ کہ سید صاحب موصوف عوام میں ہر دلعزیزی حاصل کر کے انھیں حکومت کے خلاف بھڑکانا چاہتے ہیں۔ اس لئے عثمانی حکومت کی طرف سے سید صاحب کو حکمنامہ پہونچا کہ وہ چند ماہ کے لئے ترکی کو چھوڑ دیں تاکہ ان کی تقریر سے عوام میں جو انقلابی رو پیدا ہو گئی ہے۔ وہ دب جائے۔ چنانچہ آپ اوائل ماہ محرم ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۷۱ء میں ترکی سے عازمِ مصر ہوئے۔

اگرچہ سید صاحب کا ارادہ مصر کے بارے میں کوئی سیاسی پہلو نہ رکھتا تھا۔ لیکن جب آپ وہاں پہونچے تو آپ نے دیکھا۔ کہ خدیو اسمعیل کے اسراف اور عیش و عشرت کی وجہ سے عوام ایک ہولناک قحط سے دوچار تھے۔ اور حکومت قریب قریب دیوالیہ ہو چلی تھی۔ مغربی سرمایہ دار اپنے منافعہ اور سود کے مطالبات ٹھونس رہے تھے۔ اور مصر کی آزادی کافی حد تک کچلی جا چکی تھی۔ اس وقت سید صاحب موصوف نے احیاءِ اسلامی کا علم بلند کیا۔ آپ ہندوستان کے حالات خود اپنی آنکھوں دیکھ چکے تھے۔ افغانستان کی سیاسی ریشہ دوانیاں آپ کی نگاہ میں تھیں۔ آپ چاہتے تھے۔ کہ دنیائے اسلام کو اپنی معلومات کی روح سے آگاہ کر دیں۔ آپ نے علماء ازہر میں اپنا سلسلہ کار شروع کیا۔

استعمارِ مغرب نے سید صاحب کی شخصیت کے خطرات کو پورے طور پر محسوس کیا۔ کیونکہ آپ کے خیالات بڑی سرعت سے خواص سے عوام میں پھیلتے چلے جاتے تھے۔ مصری حکومت کی طرف سے بلا شرط خدمت آپ کا وظیفہ ایک ہزار قرش ماہانہ مقرر ہوا۔ طلبہ کے اصرار

یہاں آپ نے حلقۂ تدریس کی بھی بنا ڈالی۔ آپ کے فضل و کمال کا شہرہ یہاں بھی دور دور جا پہونچا۔ آپ کی تعلیم کا اہم پہلو یہ تھا کہ آپ اپنے شاگرد کے دل و دماغ سے خیالات باطل اور توہمات قدیم کو محو کر کے نور عقل سے مجلا فرما دیتے تھے۔ آپ کا مطمح نظر یہ تھا۔ کہ نوجوان زیادہ سے زیادہ بہتر طریق پر اپنے ملک اور قوم کے لئے ممد و مفید ثابت ہوں۔ آپ اپنے شاگردوں کو وطن پرستی کے جذبات سے مکمل طور پر متصف فرما دیتے تھے۔

آپ کے وارد مصر ہونے سے پہلے ارباب قلم کی تعداد نہایت کم تھی۔ آپ کی تعلیم کے اثر سے مصر میں ایک نئی زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ اور ضرورت زمانہ کے مطابق انشا کے جدید ترین اصول پر مختلف انواع کتب و مضامین کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس انقلاب ذہنی کو دیکھ کر قدیم خیالات کے لوگ آپ سے حسد کرنے لگے اور ترکی علما کی طرح قسم قسم کی بدگمانیاں پھیلانے لگے۔ اگرچہ اس حاسدانہ اشاعت کا اثر بعض عوام پر ضرور ہوا۔ لیکن جن لوگوں نے سید صاحب کو نزدیک سے دیکھا تھا۔ ان کی عقیدت میں سر مو فرق نہ آیا۔ بلکہ آپ کے نظریات ادبی محفلوں مذہبی انجمنوں سے گذر کر سیاسی دائروں میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ اب استعمار یورپ کو سید صاحب کی زبردست شخصیت کے خطرات کا پورا پورا احساس ہوا۔ اور انھیں معلوم ہوا۔ کہ آپ یورپی طاقتوں کے خلاف مصر میں انقلاب لانے میں جد و جہد کر رہے ہیں۔

سید صاحب اس وقت ایک سیاسی ادارہ قایم کر چکے تھے۔ اس کے اراکین کی تعداد ۳۰۰ سے اوپر پہونچ چکی تھی۔ یہ ادارہ ملوکیت پرست طاقت کے لئے جتنا خطرناک ہو سکتا تھا ظاہر تھا۔ اس انجمن نے عوام کے دل و دماغ کو اپنا لیا تھا۔ شیخ محمد عبدہٗ۔ سعد زاغلول پاشا احسان باور دوسرے سینکڑوں محبان وطن سید صاحب کے لوائے رہنمائی کے نیچے جمع ہو گئے۔ جمعیت ماسونیہ جو اس وقت سارے مصر کی بااثر سیاسی انجمن تھی۔ اس نے آپ کو اپنا راہنما مقرر کر لیا۔ مصری پریس نئے انداز سے آزادی کے ترانے گانے لگا۔ سید صاحب ممدوح نے مصر میں جو انقلاب برپا کیا۔ اس کی تین بڑی خصوصیتیں تھیں

آپ نے مذہبی عقاید کو نئی روح بخشی اور اپنی تعلیمات کے ساتھ ساتھ جدید فلسفہ کے نظریوں کو شامل کیا۔ آپ نے اسلامی عقاید کو جدید تجربات علمی کی کسوٹی پر پرکھ کر ثابت کر دکھایا۔ حقیقت یہ ہے کہ سید صاحب نے اسلام کی زندگی میں ایک بار پھر مذہب اور سیاست کو دوش بدوش کر کے دکھا دیا۔ یہی سبق آپ نے ایران کو دیا تھا۔ جہاں آپ کی تعلیمات کی بدولت زبردست قومی انقلاب رو نما ہوا۔

آپ نے مصر میں سب سے پہلے نہایت کامیابی کے ساتھ سچے قومی اخبار نویس پیدا کئے۔ آپ نے قومی اخبار نویسی کو طاقت ور بنایا۔ اور اسے ایسے عروج پر پہونچا دیا۔ کہ اس کی رائے مصر اور بیرونی مصر میں وقیع خیال کی جانے لگی۔

آپ کی حیات کا تیسرا بڑا کارنامہ یہ تھا۔ کہ آپ نے عام لوگوں کو شہنشاہیت کے خلاف ابھارا غیر ملکی اقتدار اور ان کی جلب منفعت کی شاطرانہ چالوں کے مقابل اتنی نفرت پیدا کی کہ وہ آزادی کی چنگاری جو آپ نے آج سے ستر سال پہلے چھوڑی تھی۔ اسے نہ سوئز کا پانی بجھا سکا۔ نہ بحر اوقیانوس۔

مصر کے دیانتدار اخبار نویسوں نے اپنے فرض ملی کو اس طرح نباہا کہ جب آزادی مصر کے بارے میں ان کے مضامین کے ترجمے انگریزی اخبارات میں شائع ہوئے تو ارباب سیاست نے خاص طریقے پر مصر کی طرف توجہ کی۔ خود مسٹر گلیڈسٹون کو یہ فکر ہوئی کہ سید صاحب موصوف کا قلم روک دیا جائے۔ یہ زمانہ خدیو توفیق پاشا مرحوم کا زمانہ تھا۔ اور مصر کی سیاسی گتھیاں اتنی الجھی جا رہی تھیں۔ کہ بیرونی طاقتوں کو مصر میں سید صاحب کا وجود اپنے لئے خطرناک نظر آنے لگا۔ آخر کار حکومت مصر کے حکم سے آپ کو ۱۸۷۹ء میں مصر سے جانا پڑا۔

ہندوستان میں آ کر آپ حیدرآباد دکن میں قیام پذیر ہوئے اور وہاں ایک رسالہ مذہب دہریین لکھا۔ اس اثنا میں مصر کی حالت اور نازک ہو گئی اور سید صاحب موصوف کو حیدرآباد سے کلکتہ بھیج دیا گیا۔ وہاں آپ ایک نظر بند کی حیثیت سے رکھے گئے۔ اور جب مصر کے مطلع کا غبار چھٹ گیا تو آپ کو بھی ہر طرف آنے جانے کی اجازت مل گئی۔

اس نظر بندی کے بعد آپ نے اپنے آبائی وطن کابل کا رخ کیا۔ وہاں اس وقت امیر عبدالرحمٰن خاں سریر آرائے حکومت تھے۔ چونکہ سید صاحب موصوف اپنے اوائل حیات میں امیر صاحب اور ان کے بھائی کے ممد و معاون رہے تھے۔ اس لئے ان کی مدارات شاہی طریق پر ہوئی۔ سید صاحب کی نگاہ میں اقصائے عالم کی طرز حکومت تھی۔ اور ان کی دوررس نگاہیں دیکھ رہی تھیں۔ کہ اہل اسلام وقت کی دوڑ میں کس قدر پیچھے رہتے چلے جا رہے ہیں۔ اس لئے آپ نے

امیر عبدالرحمن خاں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی سلطنت کو دستوری اساس پر چلائیں لیکن شخصی حکومتوں کی کم بین نگاہیں ذاتی اقتدار کی بے معنی قربان گاہ پر مفاد قومی کو قربان کر دینے میں کبھی دریغ نہیں کیا کرتیں۔ اسی طرح امیر نے بھی سید صاحب کو طرح دی اگرچہ امیر سید صاحب کے دلائل کا کچھ جواب نہ دے سکے لیکن یہ کہکر ٹلا دیا کہ افغانستان ایک ملک ہے۔ مناسب ہے کہ یہ دستوری اصول کسی بڑے اسلامی ملک میں شروع کئے جائیں۔ سید ممدوح نے بھی خاموشی اختیار کی اور چھ ماہ کے مختصر قیام کے بعد ہندوستان کے راستے یورپ کو روانہ ہوگئے۔

ہندوستان میں آپ پانچ چھ روز گوا بیار رہے پھر گنہ گئے۔ اور سیپرا در بیورہ ہوتے ہوئے سیہور پہونچے یہاں سے نہایت مختصر قیام کے بعد بھوپال پہونچے۔ آپ کا یہ سفر مذہبی رہبری کی نوعیت کا تھا۔ بھوپال وغیرہ مقامات کے اکثر لوگ آپ کے مرید ہوئے۔ بھوپال میں قاضی عبدالحق صاحب مرحوم کے مہمان رہنے کے بعد عازم بمبئی ہوئے۔ وہاں سے لندن کا رخ کیا۔

سنہ ۱۲۹۹ھ میں آپ لندن سے پیرس روانہ ہوئے۔ وہاں مصر کے مشہور فاضل اجل اور آپ کے خاص ارادتمند شیخ محمد عبدہ ملے۔ جو بعد میں مفتی اعظم ہوئے۔ اس زمانے میں سید صاحب ممدوح کا بویا ہوا پودا بار ور ہونے کے قریب ہو رہا تھا۔ مصر میں اچھی خاص بیداری تھی۔ وہاں کے وطن پرستوں نے ایک انجمن جمعیت عروۃ الوثقی نام سے قائم کی تھی۔

انجمن نے شیخ محمد عبدہ کے ذریعہ سید صاحب سے استدعا کی کہ آپ پیرس سے ایک رسالہ شائع فرمائیں۔ جو انجمن عروۃ الوثقی کے اغراض و مقاصد کو نشر کرے۔ چنانچہ آپ کی نگرانی میں رسالے کی اشاعت شروع ہوئی۔ اور شیخ محمد عبدہ اس کے مدیر مقرر ہوئے۔ ابھی اس رسالے کے اٹھارہ نمبر ہی شائع ہوئے تھے۔ کہ اس کا داخلہ ہندوستان میں ممنوع قرار دیا گیا۔ اور اس کا پڑھنا جرم۔

اس کے بعد آپنے پیرس ہی کے اخبارات میں روس، انگلستان، ترکی اور مصر کی سیاست پر بصیرت افروز تبصرے زیب قلم کئے۔ وہاں کے اہل قلم و اہل علم سے تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ چنانچہ وہاں کے مشہور فلسفی رینان سے علم اور اسلام کے سلسلہ میں خوب بحثیں ہوئیں۔ ان کی وجہ سے انہے آپکے وجدان علم۔ وسعت نظر اور قوت برہان کا معترف ہونا پڑا۔ اور بعد میں وہ ہر علمی حیثیت میں سید صاحب موصوف کا تذکرہ ضرور کیا کرتا۔

پھر حکومت انگلستان نے استدعا کی کہ آپ لندن تشریف لاکر مسئلہ ظہور مہدی کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کریں۔ یہ عجیب بات ہے۔ کہ ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد حکومت انگلستان مسئلہ ظہور مہدی کے بارے میں بڑی دلچسپی لینے لگی تھی۔ اس سے پہلے اس دلچسپی کا سراغ نہیں ملتا۔ غرض انگلستان کے مختصر قیام کے بعد آپ واپس پیرس تشریف لائے۔ اور کچھ عرصے کے لئے وہاں کی علمی صحبتیں خوب گرم رہیں۔

اسی اثنا میں آپ کو شاہ ناصرالدین قاچار نے طلب کیا۔ طہران میں آپ کی انتہائی عزت اور احترام کیا گیا۔ اور وزارت حربیہ کا عہدہ پیش کیا گیا۔ شاہ کا خیال تھا۔ کہ آپ کو بتدریج وزارت عظمیٰ پیش کی جائے

ایران میں آپ کے تشریف لانے سے پہلے آپ کے پاکیزہ خیالات زبان زد خاص و عام ہو چکے تھے۔ اس لئے آپ کے پاس علما و فضلا جوق جوق دور دراز سے آنے لگے۔ اور آپ کے ارشادات سے مستفید ہونے لگے۔ جب آپ کی شہرت حد سے زیادہ تجاوز کر گئی۔ تو سیاسی شاطروں نے شاہ کو بدگمان کیا کہ سید صاحب کا ایران پر خاص اثر ہو رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ اثر بساط شاہی کو الٹ دے۔ بساط شاہی تو کیا الٹ سکتی تھی۔ ان تمام ریشہ دوانیوں کی تہ میں یہی بات پنہاں تھی۔ کہ ایران اور دربار ایران کو جدید روشنی کی ہوا میں زندگی گزارنے کا ڈھب نہ آجائے۔ چنانچہ روس اور دوسری متعلقہ طاقتوں نے ایران کے شاہ شطرنج کو سید صاحب سے بدگمان کرکے چھوڑا۔ سید صاحب نے بادشاہ کے ٹیڑھے ترچھے رویے کو بھانپا اور تبدیل آب و ہوا کا بہانہ کرکے اجازت سفر لی اور ایران سے ماسکو روانہ ہوگئے۔ کیونکہ وہ اس طاقت کی سیاسی چالوں کا مطالعہ بھی ضروری سمجھتے تھے۔ اہل ماسکو پہلے ہی آپ کے حالات سے مطلع ہو چکے تھے۔ وہاں آپ کا بڑا احترام کیا گیا۔ پھر آپ ماسکو سے پیٹربرگ کو روانہ ہوئے۔ وہاں پہونچکر آپنے ممالک اسلامیہ کے علاوہ روس اور انگلستان کی سیاست پر مضامین کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے عالمانہ اور صداقت سے مملو مضامین کو سب جگہ توجہ اور اہمیت دی گئی۔

سنہ ۱۸۸۹ء میں پیرس کی مشہور نمائش کے موقعہ پر سید صاحب

ممدوح پیرس تشریف لے گئے تھے واپسی پر بو بیریا میں شاہ ایران سے ملاقی ہوئے۔ سفر یورپ کے بعد شاہ ایران نے بھی سیاسیات عالم کو کچھ نہ کچھ سمجھ لیا تھا اس لئے اب شاہ کو سید صاحب کے خیالات اجنبی معلوم نہ ہوئے۔ اب اسے یقین ہوا کہ آپ کا وجود حقیقت میں شاہ ایران کے لئے خطرناک نہ تھا۔ چنانچہ آپ باصرار تمام ایران تشریف لے گئے اب کے آپ کی قدر ومنزلت پہلے سے زیادہ ہوئی۔ ملک کے تمام ضروری مسائل میں اور وضع قوانین کے سلسلے میں آپ سے مشورہ لیا جاتا رہا۔ اس پر سیاسی شاطروں نے یہ چال چلی کہ اگرچہ سید صاحب کے وضع کردہ قوانین خالی از فائدہ نہیں لیکن وہ قوانین ایران کے مقامی حالات سے موافق اور مناسب نہیں اور اس طرح چونکہ شاہ کے اپنے اختیارات دوسروں کی طرف منتقل ہوں گے۔ اس لئے اس کے شخصی اقتدار پر بھی کاری ضرب پڑے گی۔ غرض اب کی مرتبہ اس قدیم خیال والی ملک نے اپنے شخصی اقتدار پر بھی مفاد عامہ کو ذبح کیا۔

سید صاحب بے دل ہو کر شاہ کی اجازت سے قصبہ شاہ عبدالعظیم چلے گئے۔ اور آپ کے گرد علما و معتقدین کی جماعت کثیر جمع ہوگئی۔ سید صاحب نے عوام کو اصلاح حکومت پر آمادہ کیا۔ چند ہی ماہ میں اس مشن کی خاطر خواہ اشاعت ہوگئی۔ اور سب لوگ اس بات پر متفق ہوگئے کہ آپ سرزمین ایران کو شخصی استبداد سے اور اس کے ناپاک تسلط سے آزاد کرانا چاہتے ہیں۔

آخر خود غرض مشیروں کے فاسد مشورہ سے شاہ ایران نے پانسو ایرانی سواروں کو بھیجا کہ وہ سید صاحب کو گرفتار کر کے سلطنت بدر کر دیں۔ یہ لوگ آپ کو حالت مرض اٹھا کر سلطنت ایران سے باہر سلطنت عثمانیہ کی حدود میں چھوڑ آئے۔ آپ کے اس طرح نکالے جانے پر ملک میں ایک عام بغاوت کے آثار رونما ہوئے۔ حتیٰ کہ بادشاہ کی جان خطرے میں نظر آنے لگی۔

جب مرض سے افاقہ ہوا۔ تو آپ نے لندن کا رخ کیا۔ یہاں کے لوگ آپ سے اچھی طرح متعارف تھے۔ چنانچہ آپ وہاں کی سیاسی مجالس میں شرکت کرنے کے لئے گئے۔ اس عرصہ میں آپ اکثر ایران اور اس کی سیاسیات ہی کو موضوع گفتگو بناتے تھے۔ اور اکثر اسی کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ انہیں دنوں سلطنت عثمانیہ کے سفیر رستم پاشا نے جو لندن میں مقیم تھے۔ سید صاحب کی خدمت میں ایک مراسلہ پیش کیا جس میں تحریر تھا۔ کہ آپ کو خلافت پناہ نے یاد فرمایا ہے۔ سید صاحب نے یہ کہکر ٹال دیا کہ آپ اپنے ملک کی اصلاح میں مصروف ہیں لیکن دوبارہ سلطان اعظم کا نامہ آنے پر آپ عازم قسطنطنیہ ہوئے۔

سلطان اعظم کی طرف سے آپ کا وظیفہ ۷۵ گنی عثمانی ماہوار مقرر ہوا۔ رہائش کے لئے ایک محل ملا آپ چار سال تک قسطنطنیہ میں اقامت پذیر رہے۔ یہاں تک کہ ۱۸۹۶ء میں سرطان کے مرض میں مبتلا ہو کر آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور قبرستان "شیخلر ارلغی" کے مشہور و متمائز قبرستان میں مدفون ہوئے جہاں سے حکومت افغانستان کی استدعا پر آپ کا جسد اطہر افغانستان لایا گیا۔ اور ہر ممکن اعزاز و احترام کے ساتھ آپ کی آخری آرام گاہ تک پہونچا دیا گیا۔

سید صاحب ممدوح ایک خاص مقصد حیات لیکر آئے تھے۔ اور وہ یہ تھا۔ کہ اقصائے عالم کے تمام مسلمان ایک حیات اجتماعی کے ماتحت زندگی بسر کریں۔ فروعی فتن کو چھوڑ کر تمام مسلم طاقتوں کا ایک مشترک نظام ہو۔ خلافت عظمیٰ کے بغیر اسلامی حیات اجتماعی ناممکن ہے اس لئے اس کے اقتدار کو یکساں طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ مشرق مغرب کے دوش بدوش آزاد ہو کر خود نگری کی روح پیدا کرے اور کہیں جگہ شخصی استبداد کا نام نہ رہے۔ حکومت کی عمارت دستوری و جمہوری اساس پر قائم ہو۔ یہ وہ بیش بہا اصول تھے جن کے لئے آپ کی تمام زندگی وقف رہی۔ اس مقصد کے حصول کے لئے نہ آپ نے شادی کی اور نہ کسی دنیاوی کاروبار اور غیر ضروری مصروفیت میں حصہ لیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا ممدوح اپنی حیات میں حصول مقاصد کو نہ پہونچے لیکن جو عملی پیغام آپ امت محمدیہ میں چھوڑ گئے تھے۔ وہ یقیناً باردر ہوگا۔ یہ وہی پیغام ہے جو ہندوستان میں اقبال کے رنگ میں ظاہر ہوا۔ مصر میں وفد پارٹی کی جدو جہد بنا۔ ترکی میں مصطفیٰ کمال ایران میں رضا شاہ پہلوی ہوا اور عراق و فلسطین و عرب و دیگر ممالک اسلامیہ میں وفاق اسلامی کی روح میں جلوہ گر ہے۔

صوبہ سرحد اور لیگی وزارت

سردار اورنگزیب خاں وزیر اعظم صوبہ سرحد نے مسلم لیگ کابینہ کے خلاف کانگریس پارٹی کے عدم اعتماد کی رائے پاس ہوجانے کے بعد ۱۵ مارچ کو اپنی کابینہ کا استعفے گورنر صوبہ سرحد کو پیش کردیا۔ ان کی مسلم لیگی جماعت کی آرا ۱۸ ہیں اور ان کے مخالفین کی آرا ۲۴ ہیں۔ اس سنسنی خیز تبدیلی کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا۔ کہ یا تو صوبہ سرحد دوسرے کانگریسی اکثریت والے چھ صوبوں کی طرح دفعہ ۹۳ کے تحت بیورو کریسی کے زیر نگیں آجاتا۔ اور اپنے نمائندوں کی حکومت۔ خدمت و توجہ سے محروم ہوجاتا۔ اور یا در دلبست کانگریس منسٹری قایم ہوجاتی پہلی کیفیت سے جو کالیف دفعہ ۹۳ کے نفاذ والے دوسرے صوبجات میں ہورہی ہیں۔ ان پر روشنی ڈالنا ایک امر معلوم کا اعادہ ہے۔

دوسری صورت میں صوبے کا اسیر دار دھا ہوجانا یقینی ہے۔ چنانچہ موخرالذکر صورت مورخہ ۱۴ مارچ کو ہوکر رہی اور ڈاکٹر خانصاحب نے باقاعدہ کانگریس وزارت بنانے کے لئے گورنر کی دعوت کو منظور کرلیا۔ اور یہ نئی وزارت ۱۶ مارچ کو حلف وفاداری لے گی۔ ہمارے خیال میں صوبہ سرحد کے اسمبلی ممبران کی یہ عین دانشمندی ہوتی کہ وہ اپنے جماعتی اختلافات کو دور کرکے اخلاص اور اپنے صوبہ کی خدمت کے جذبہ کی خاطر کانگریس اور مسلم لیگ کے افتراق کو دور کرتے اور ایک مشترک نمائندہ وزارت بناتے اور بہتر انداز پر اپنے صوبہ کی حکومت کو چلاتے۔

۱۹۳۹ء میں جب کانگریسی وزارتوں نے کانگریسی کمیٹی کے رزولیوشن کی تعمیل میں استعفے دیدیئے تھے۔ اس وقت ڈاکٹر خانصاحب کانگریسی کابینہ صوبہ سرحد کے وزیر اعظم تھے۔ کانگریس ہائی کمانڈ سے درخواست کی تھی۔ کہ وہ اپنے فیصلے ترک کرکے وزارتوں سے صوبہ سرحد کو مستثنیٰ کردیں۔ مگر ان کی بات نہیں سنی گئی۔ وہ اب بھی صوبہ سرحد میں انتخابی حکومت کو صوبہ کے مفاد کے لئے دفعہ ۹۳ کے تحت بیورو کریسی کی حکومت سے بہتر خیال کرتے ہیں۔ یہ کہ دن کی جماعت کی پہلے ہی اکثریت تھی اور اب بھی اکثریت ہے بدیہی امر ہے۔ مگر ہمارے لئے یہ امر سب سے زیادہ تکلیف دہ ہے کہ پچاس ممبران کے ایوان میں جبکہ مسلم ممبران کی تعداد ۴۵ ہو اور ان میں باہمی افتراق کے باعث وہاں کی انتخابی وزارت ٹوٹے اور ملکی معاملات زبوں ہوں۔ صوبہ سرحد کی اسمبلی میں ۹۰ فی صدی کی اکثریت مسلمان ممبران کی ہے۔ مگر ان میں سے بغیر کانگریسی دستور کے پابند ہیں۔ اور ان سے کم لیگی دستور کے جبکہ وہ سب ۴۵ کی تعداد میں مسلمان ہیں۔ ان پر کسی دنیادی حکم و دستور کی پابندی نہیں عاید آتی۔ بمقابلہ ان کے ازلی مذہبی دستور و قانون کے اور جس کا اولین فرمان یہ ہے کہ اللہ کی رسی کو پکڑ لو اور ایک دوسرے سے اختلاف و تفریق مت کرو۔ چونکہ مسلم ممبران اسمبلی صوبہ سرحد ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ لہذا وہ مذکورہ مذہبی حکم کے خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ ان کو اس پر غور کرنا چاہیئے اور صحیح اسلامی فرمان کی طرف رجوع کرکے اپنے ملکی کاموں کی بہتری کے لئے متفق ہونا چاہیئے تھا۔

ہم نے اگست ۱۹۴۳ء میں صوبہ سرحد میں مسلم لیگی وزارت کے قیام کا خیر مقدم کیا تھا۔ محض اس خیال سے کہ دفعہ ۹۳ کا نظام حکومت ختم ہوا۔ اور انتخابی ممبران کی وزارت اور اس کی حکومت قایم ہو۔ اس حکومت کی ایک سال سات ماہ صوبہ سرحد میں حکومت رہی۔ سردار اورنگزیب خاں نے عدم اعتماد کی تجویز کی جوابی تقریر میں فرمایا کہ ان کی وزارت کی خدمات اور ان کے کام ان کے حق میں ثبوت ہیں۔ اور زیادہ الفاظ کی ضرورت نہیں کہ ان کو بیان کیا جائے۔ ان کی وزارت کے کارنمایاں پر ہم نے نخلہ ماہ جنوری میں مقالہ تحریر کیا تھا۔ اور اس میں ہم نے اپنے خیال کے مطابق دیگر مفید کاموں کی طرف وزارت کی توجہ مبذول کرائی تھی۔ اچھے کام اپنی جگہ اچھے ہیں۔ مگر صوبہ سرحد سے آمدہ خبروں سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ صوبہ کی اعتمادی وزارت نے اپنے صوبہ کی وہ خدمت نہ کی جس کی اس سے توقع کی جاتی تھی۔

مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

اور

اس کی علمی خدمات و ترقیات

(از محترمہ صاحبزادی ت۔ ج۔ خ صاحبہ)

مسلم یونیورسٹی جو آج علی گڈھ میں قائم ہے اور مسلمانان ہند کے لئے بلکہ کل اسلامیان ایشیا کے لئے سرچشمۂ علوم ہے۔ انیسویں صدی کا علمی ترکہ ہے۔ ابتدا میں اس ادارہ کو سرسید احمد خاں علیہ الرحمتہ نے ۱۸۷۵ء میں قائم کیا۔ اور ۱۸۷۷ء میں محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج کا سنگ بنیاد لارڈ لٹن وائسرائے ہند نے رکھا۔ اس وقت سے سید آنجہانی کے اخلاص و کاوش سے یہ مدرستہ العلوم دن بدن ترقی کرتا گیا۔ سرسید مرحوم کو خوش قسمتی سے ایسے ایسے قابل رضاکار رفیق مل گئے تھے۔ کہ ان کی امداد اور اپنی عدیم المثال قابلیت و دور اندیشی و دوربینی سے انھوں نے مسلم قوم کی تعلیمی ضروریات کے لئے ایک ایسا مرکز قائم کیا۔ اور اس کو ایسی کامیابی و عمدگی سے چلایا کہ بیسویں صدی کے شروع تک ہندوستان میں کوئی دوسرا تعلیمی مرکز جس میں تعلیم اور رہائش گاہ کا ہمہ وقت انتظام ہو۔ اس کا ہم پلہ نہ تھا۔ عرصہ تک عام طور پر اس مرکز کو انگلستان کی مشہور یونیورسٹیوں آکسفورڈ و کیمبرج سے مشابہت دی جاتی تھی۔ جو کچھ غلط بھی نہ تھا۔ جس طرح قرون وسطیٰ سے تاحال مذکورہ دونوں نامی یونیورسٹیوں نے برطانیہ کلاں۔ امریکہ اور یورپ میں علوم کی روشنی کو پھیلایا۔ اسی طرح علی گڈھ کالج نے مسلمانان ہند و ایشیا کی ضروریات کو پورا کیا۔ انیسویں صدی میں کوئی تعلیم یافتہ مسلمان ملک کے محیط میں ایسا نہ تھا جس کا اس کالج سے کسی نہ کسی طرح واسطہ نہ رہا ہو۔ یہی کیفیت بیسویں صدی میں نمایاں جھلک دکھا رہی ہے۔ تعلیمی شعبوں میں سیاست میں ملازمت اور حکمانہ زندگی میں علی گڈھ کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کا درجہ اب بھی بالاتر ہے۔ سائنس و ریاضی میں سر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد ڈاکٹر ولی محمد ڈاکٹر نذیر احمد۔ ماہران تعلیم میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں اور خواجہ غلام السیدین اور دیگر علوم میں پروفیسر محمد حبیب ڈاکٹر ظفر الحسن اور پروفیسر ہارون خاں شروانی ایسی مثالیں ہیں۔ جن کا ہم پلہ دوسرا نہیں دکھائی دیتا۔ میدان سیاست میں یہ کیفیت ہے کہ علی برادران جیسے شیر مرد قابل اور آزادی کے علمبردار اور مولانا ظہور الحق اعظم آبادی جیسے عالم و صادق اسی درسگاہ کے سپوت ہیں۔

جب ۱۹۳۷ء میں نئے منشور کے مطابق صوبائی وزارتیں قائم ہوئیں تو حسن اتفاق سے کابینہ وزارت میں نہ صرف ایک بلکہ دو اور اس سے بھی زیادہ وزراء علیگڈھ کے اولڈ وائز تھے۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ علی گڈھ کی تعلیم اور تمدن کس قدر عمدہ تھے۔ اور باوجود دور جدید کے علوم کی ہند میں ترقیات کے پھر بھی اس درسگاہ کا تعلیم یافتہ طبقہ اپنے ہمعصروں پر فوقیت رکھتا تھا۔

اگر یہ وجہ نہ ہوتی تو جمہوری انتخابات کی کسوٹی پر علی گڈھ والوں کی اس قدر کثیر تعداد کیسے کامیاب ہوتی۔ ملازمتوں میں علی گڈھ کے تعلیم یافتہ لوگوں کا بہت حصہ ہے۔ وہ اپنی قابلیت اور اعلیٰ تمدن کی وجہ سے دوسروں سے ممتاز ہیں۔ یہ مصلح وخیر اندیش قوم سر سید علیہ الرحمتہ کے اخلاص و دور اندیشی کا فیضان ہے جس سے اسلامیان ہند اس وقت تک بہرہ ور ہو رہے ہیں۔

سر سید علیہ الرحمتہ کے جانشینوں نے اس تعلیمی مرکز کو مسلسل ترقی دی۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں ایم۔ اے۔ او کالج کو مسلم یونیورسٹی بنا دیا گیا۔ اس کے پہلے وائس چانسلر مہاراجہ صاحب محمود آباد تھے۔ اس کے بعد نواب سر محمد مزمل اللہ خاں صاحب اور پھر صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب سر سید راس مسعود۔ سر ڈاکٹر محمد سلیمان اور اب سر ضیاء الدین احمد ہیں۔ ان بزرگان دیگران قابلیت وعلوم کی سیادت میں علم وادب کی تعلیم کی ترقی کے بعد سائنس کی طرف توجہ کی گئی۔ چنانچہ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب مرحوم کے زمانے میں سائنس کالج کی بنیاد ہز ہائنس نواب صاحب بھوپال نے رکھی۔ اور اس مقصد کے لئے یونیورسٹی کو پانچ لاکھ کا خطیر عطیہ بخشا۔ سر سید راس مسعود مرحوم نے خسرو دکن نظام حیدرآباد سے دس لاکھ کا عطیہ حاصل کرکے سائنس کالج کو بڑے معیار پر پہونچایا۔ سر ڈاکٹر محمد سلیمان صاحب مرحوم نے انجینیرنگ کالج کو قایم کیا۔ اور سر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد اس کو اعلیٰ پیمانے کا انجینیرنگ کالج بنانے کی کوشش کر رہے ہیں جس میں انجنیرنگ کی تعلیم بی۔ ایس سی تک ہوتی ہے۔ اور وہاں کے گریجویٹ کو رڑکی۔ منگلپورہ۔ بنارس کالجوں کے گریجویٹ کے برابر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ یہ ترقیات مفید ہیں۔ اور قومی ضروریات کو پورا کرتی ہیں۔ اس وجہ سے اور زیادہ خوش کن ہیں حال ہی میں گذشتہ نومبر میں وہاں پر ہوائی جہازوں کے متعلق ایک انسٹیٹیوٹ کا سنگ بنیاد میجر جنرل سرلوک نے رکھا ہے۔ اور امید ہے کہ وہ انسٹیٹیوٹ جلد قایم کیا جائے گا۔

مسلم یونیورسٹی کی سنہری جبلی نومبر ۱۹۴۵ء میں ہونی قرار پائی ہے۔ کارکنان یونیورسٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مخصوص موقع کی یادگار ایک میڈیکل کالج کا قیام یونیورسٹی میں ہو۔ اس غرض کے لئے ساٹھ لاکھ روپیہ کی کثیر رقم کے جمع کرنے کی اپیل مسلم قوم سے کی گئی ہے اس کے لئے کام کافی سرگرمی سے ہو رہا ہے۔ جیسا کہ مسلم یونیورسٹی گزٹ میں ۱۵ مارچ تک کی میڈیکل کالج کی جمع شدہ رقم پونے چھ لاکھ روپے کا اعلان کیا گیا ہے۔ ابھی امید ہے کہ رقم چندہ بہت جمع ہوگی مگر اس وقت سوال یہ ہے کہ آیا مسلم میڈیکل کالج کی ضرورت ہے بھی کہ نہیں۔ اور خاصکر اس حالت میں جب کہ انجنیرنگ کالج میں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ کالج کی ضروریات کے مطابق نئے انداز پر بلڈنگ اور ورک شاپ (معمل) کی تیاری جواب تک نہیں ہوئی بڑی ضروری ہے جن کے بدون اور عمدہ اسٹاف کے بدون انجنیرنگ کالج جو بہت عمدہ ومفید خیال کا مرقع ہے کسی طرح صحیح معنوں میں ایک مفید مرکز نہیں بن سکتا۔ مناسب یہ ہے کہ جو کام ہاتھ میں لیا ہوا ہے۔ اور وہ غیر مکمل ہے اس کو پہلے مکمل کیا جائے۔ اور پھر دوسری طرف توجہ کی جائے۔ ورنہ نہ انجنیرنگ کالج مکمل ہوگا۔ اور نہ میڈیکل کالج معرض وجود میں آئے گا۔ اور نہ مفید ادارہ ثابت ہو سکے گا۔ اور مسلمان مفلس قوم کا روپیہ یونہی ضائع جائے گا۔

مسلم یونیورسٹی میں ایک شعبہ طبیہ کالج کا ہے جس کی عمارت سال گزشتہ پانچ لاکھ روپیہ کے صرفہ سے ایک نہایت غیر موزوں جگہ تعمیر ہوئی ہے۔ اس کی کارکردگی کا اب تک کچھ نہیں سنا گیا اس کے پرنسپل ڈاکٹر عطاء اللہ بٹ ایم۔ ڈی (جرمنی) ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ اس شعبہ میں موجودہ حالات وضروریات کے مطابق سٹاف میں تبدیلی و درستی کرکے۔ اس کے ساتھ معمل اور جراحی کے شعبہ جات بڑھا کر اسی کو ایسا کالج بنا دیا جائے کہ وہاں سے عمدہ طبیب و ڈاکٹر تعلیم حاصل کرکے نکل سکیں۔ اور ملک میں میڈیکل ملازمتوں اور پیشہ سے معاش کمائیں اور خدمت کریں۔ یہ ایک ثابت حقیقت ہے۔ کہ اب ہندوستان کے لئے اور خاص کر مسلمانوں کے لئے خالص مغربی تعلیم وتمدن کی تقلید مفید ہیں۔ طب قدیم مسلمانوں کا وہ علم ہے جو یورپ کی موجودہ کیمسٹری اور میڈیکل کا منبع ہے۔ موجودہ جنگ کی مجبوریوں نے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ ہمارے لئے یورپ وامریکہ کا دست نگر ادویات ودیگر ضروریات میں رہنا نہایت تکلیف کا باعث ہے۔ بارہا تجربہ میں آیا ہے۔ کہ ڈاکٹروں کے مایوس مریض حکیموں کے ہاتھوں شفایاب ہوتے ہیں۔ جو اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ طب کوئی فضول علم وشے نہیں ہے۔ بلکہ موجودہ زمانے میں ریسرچ سے اس کو اور مفید بنایا جا سکتا ہے۔ مسلم یونیورسٹی میں طبیہ کالج کا ہونا اور میڈیکل کالج کا ایک وقت

نوائے وقت!

جلالؔ میرزا خانی الشیرانی !!

میں نے دیکھا جسم عالم میں فساد رنگ خوں
میں نے دیکھا ابن آدم کی طبیعت میں جنوں

میں نے ناداروں کو دیکھا سسکیاں لیتے ہوئے
ظلم کی کشتی خود اپنے خون میں کھیتے ہوئے

میں نے دیکھی ہیں فریب ظلم کی گہرائیاں
میں نے دیکھی ہیں دل مظلوم کی پہنائیاں

میں نے دیکھا آدمی کو آدمی بھاتا نہیں !
آدمی کو آدمی کھانے سے شرماتا نہیں

میں نے دیکھا ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں لوگ
میں نے دیکھا ہے کہ بندوں کو خدا کہتے ہیں لوگ

میں نے دیکھا زر کی خاطر علم و فن بِکتا ہوا
ایک کانٹے کے لئے سارا چمن بِکتا ہوا

صرف نا اہلوں کی مدحت میں کیا جاتا ہے علم
میں نے دیکھا بارہا دنیا میں شرماتا ہے علم

میں نے دیکھی ہیں جنازوں پہ براتوں کی سی دھوم
اور دلہاؤں کے سہروں پر اداسی کی سموم

میں نے دیکھی چشم شاہی میں فقیروں کی نگاہ
اور سینے میں فقیروں کے دل آزاد شاہ

میں نے فرعونوں کو دیکھا کفر و حق پہچانتے
خالق کون و مکاں ہی کی خدائی مانتے

کہنہ تعمیروں میں کیا کیا زلزلے لائے گئے
میں نے دیکھا کس طرح قانون ٹھکرائے گئے

کیا کہوں تہذیب انسان جنگ کے ہذیان میں !
میں نے دیکھا ہے مرض کو شدت بحران میں

ہچکیوں پر ہے دلوں کی حسرتوں کا اختتام
میں نے خود آنکھوں سے دیکھا زندگی کا انتقام

میں نے تعمیریں بھی دیکھیں حسرتِ تعمیر بھی !
خواب بھی دیکھے ہیں اور محرومیِ تعبیر بھی

میں نے دیکھے ہیں ارادے ٹوٹتے انسان کے
میں نے دیکھے ہیں جنازے حسرت و ارمان کے

روح کو چھلنی بنایا فکر کے ناسور نے
کس قدر مجبوریاں جھیلیں دلِ مجبور نے

میں نے کیفِ وصل دیکھا بزمِ محسوسات میں
میں نے دیکھیں ہجر کی گھڑیاں بھری برسات میں

میں نے دیکھے اس جہاں کے نور بھی ظلمات بھی !
دردِ غم کی مدتیں بھی عیش کے لمحات بھی

میں نے دیکھی چشمِ مادر نزع میں ہے دم نہیں
آنکھ میں پھر بھی محبت اور دلاسہ کم نہیں

بارہا میں رنگِ دنیا سے ہوا ہوں ناامید
میں نے دل جتنے سیہ دیکھے ہیں خول اتنے سپید

میں نے دیکھے ایک دنیا کے زمانے عیش کے
میں نے دیکھے جو سنے تم نے فسانے طیش کے

کس طرح خود دار دنیا ہائے بے خود کی گئی
نوجوانوں کو دوا کہہ کر ہلاہل دی گئی

میں نے دیکھا حاکموں کو تاجری کرتے ہوئے
اور علمداران دیں کو ساحری کرتے ہوئے

رہزن اپنی رہزنی میں جب ہوئے ہیں کامیاب
بادشاہی کے شرف نے چوم لی ان کی رکاب

میں نے دیکھا ہے جہاں میں حق و انصاف ایک کھیل
جس کے چاہا ڈال دی انسان نے سونے کی نکیل

میں نے دیکھے چشمِ حیراں سے دھوئیں اٹھتے ہوئے
جسمِ گیتی پر مظالم سے ردئیں اٹھتے ہوئے

ہے غلامی میں زمانے کی فضا ڈوبی ہوئی
جس بدی کو زور نے چاہا وہی خوبی ہوئی

میں نے دیکھا آخراں کی عاقبت برباد ہے
اُف تھکے کندھوں پہ جن کے قصر کی بنیاد ہے

میں نے دیکھی ہیں ہوسکاری کی افسونکاریاں
میری نظروں میں ہیں سب مجبوریاں مختاریاں

سوانگ بھروائے ہیں کیا کیا خلعتِ زرتار نے
ناچ نچوائے ہیں کیا کیا نقرئی جھنکار نے

میں نے غداروں کو دیکھا میں نے دیکھے ہیں شہید
ایک ہیں بے غرضی کے بندے ایک لالچ کے مرید

ایک ہیں زریں قبا پر داغِ عیاری لئے
دوسرے اپنے کفن پر نورِ خودداری لئے

وائے وہ جنگِ ہوسرانی نزاعِ حق و فرض !
ہائے وہ ثبوت جو ہے نادار کی گردن پہ قرض

زندگی دنیا کی میرے تجربے کی بات ہے
میرا لمحہ عمروں کے لئے سوہان ہے
طاقت تعمیر پر بجلی گرا دیتا ہوں میں !
میٹھی میٹھی بھول کی نیندیں سلا دیتا ہوں میں
میں ستاروں تک کو پیغام اجل دیتا ہوں میں

آدمی کی دوراندیشی ہی میری گھات ہے
میرا وقفہ وقفہ گویا موت کا اعلان ہے
جھونپڑا ہو گھر ہو یا ایوان ہو جلا دیتا ہوں میں
دل میں رکھنے والے دردوں کو بھلا دیتا ہوں میں
کوہساروں تک کو چٹکی سے مسل دیتا ہوں میں

ہاں مگر وہ مرد حق جو فی الحقیقت مرد ہیں !
جن کے ابرو حال جبروت رب کائنات
شاہزوری جن کی ہر معصوم کی ہو پاسبان
ہاتھ جن کے دست موسیٰ اور زبانیں ہیں کلیم
قول کے پورے ارادوں کے قوی دل کے دلیر
آئینہ شرمندہ ہو جن کی ضمیر پاک سے !
دوستی جن باوفا لوگوں سے شرماتی نہیں
جن کی پیری نوجوانوں کی جوانی کا جواب
زور تن میں روح باتوں میں سراپا میں جمال
ان خدا آگاہ لوگوں کی جنوں آگاہیاں
ان سے دبتا ہی اگر دبتا ہے دور آسماں

جن کے آگے گردشیں آفاق کی سب گرد ہیں
منتظر جن کے اشاروں کے ہیں اوقات وجہات
زور بازو جن کا ہر مظلوم کو دیدے اماں
جستجو میں سنگ و آہن گفتگوؤں میں حلیم
فعل میں سر گرم عزائم میں جری شیروں کے شیر
عکس خود آ آ کر اتریں جس میں نہ افلاک سے
دشمنی میں بھی شرافت ہاتھ سے جاتی نہیں
نور رکھتا ہے بڑھاپے کی طرح جن کا شباب
کیف دل میں نور ماتھوں میں نگاہوں میں جلال
ختم کر دیتی ہیں دانش کی پریشاں راہیاں
ان کے آگے اور ہی رہتا ہے طور آسماں

آسماں آزاد جذبوں کو دبا سکتا نہیں
جان لے سکتا ہے روحوں کو مٹا سکتا نہیں

دفتر پارینہ

(اپنے کی بیچ)

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را ٭ تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

یاد نہیں بچیرا گلے زمانے کی بات ہے جب اس دیس میں نہ نل کا پانی تھا نہ کل کا آٹا۔ بڑے لوگ اپنے حق سے اور چھوٹے لوگ اپنے فرض سے آنکھیں نہ اڑ کے رس بس رہے تھے۔ لیکن لحاظ کی آنکھیں جہازوں سے بھاری تھیں دلوں کی صفائی نے اپنے آئین بنا رکھے تھے جو وضعداریوں کی جوت سے جگمگاتے رہتے تھے۔ کسی بھولے بھٹکے کی مجال نہ تھی کہ ان کے ہوتے راہ سے بے راہ ہو جاتا۔

کہتے ہیں کہ اس وقت تعلیم عام نہ تھی لوگ لکھے پڑھے نہ تھے۔ اگر تعلیم صرف لکھنے پڑھنے ہی کا نام ہے تو شاید یہ بات سچ ہو اور اگر کچھ کر کے دکھانے کا نام ہے تو وہ لوگ اس کسوٹی پر کھرے کندن تھے۔

لکھنا پڑھنا علم نہیں علم کی ایک ڈال ہے علم کانوں میں سننے اور ہاتھوں سے نکالنے کی چیز ہے۔ وہ لوگ بڑی بڑی کتابیں پڑھا پھلا دیتے تھے۔ دو باتیں سنکر کام میں لانے کو کہیں اچھا جانتے تھے۔ اس لئے اس زمانے میں باتوں کے دھنی آٹے کی طرح تھے۔ اور بلا توں کے بھوت نمک کے برابر۔

اسی زمانے میں دلی کی راجدھانی سے دور ستلج سے درے مالیر کوٹلے کی ریاست میں شمسی خاندان شیروانی قبیلے کے ایک نواب حاکم تھے۔

نواب سکندر علیخاں اگلے زمانے کی ریت رسموں کا سچا نمونہ تھے۔ بڑی بڑی آنکھیں گلابی ڈورے جن سے سیر چشمی جھلکی پڑتی تھی۔ بڑے ہاڑ کا کسرتی جسم چوڑے سینے میں بادشاہوں کا سا دل بھرے بھرے بازو چھوٹے چھوٹے ہاتھ پکار پکار کر کہتے تھے کہ ہم رعایا کو پالنے کے لئے بنے ہیں۔ سونے چاندی کے ڈھیر لگانے کے لئے نہیں۔ گہرے سبز لباس میں کندن کا سا جسم کھڑکی دار سبز کاہی پگڑی پر کلغی اور جیغہ انگرکھے اور نیم آستین کے حاشیوں پر بنارسی کام رئیس نہیں کوئی دیوتا ہیں۔

نواب کی سواری ہر روز سکندر منزل سے نکلتی ہے اور بھرے بازار میں سے ہوتی ہوئی دیوان خانے کا رخ کرتی ہے۔ رئیس کا سیاہ ہاتھی اس کی طبیعت کی طرح بھاری بھرکم اور حوصلے کی طرح بلند بالا ہے۔ ریں جھول گنگا جمنی ہودج۔ گلے میں سریلا زنگ مستک پر چاند تارا اور اس سے آگے سونڈ کی نوک تک چابکدست کماں گروں کا کمال اپنے سٹے ہوئے فن کو آپ ہی آپ دیکھ رہا تھا۔ ہموہان آنکس سنبھالے چوکس بیٹھا ہے۔ رئیس کے ساتھ دل کی آنکھیں بھی رئیس کی طرف ہیں آگے پیچھے ہتھیار بند سوار ہیں۔ دائیں بائیں چوبدار اور ان کے آگے نقیب یہ جلوس شہر میں داخل ہوا شہنائیوں نفیریوں اور نقاروں نے صبح کا سلام کیا۔ اور شہریوں کو شہریار کے آنے کا پیام دیا۔ دکانیں کھل چکی ہیں۔ لیکن لین دین کا بازار ابھی گرم نہیں ہوا۔

نواب رعایا برایا کو درشن دیتے۔ دل اور دعائیں لیتے جا رہے ہیں ابھی دائیں ہاتھ سے سلام لیا تھا۔ ابھی بائیں ہاتھ سے جواب دیا ہے جگہ جگہ سے صاحب سلام کی آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ ان کے جواب میں کہیں بھائی صاحب سلام، چوہدری صاحب سلام، میاں صاحب سلام کہتے جاتے ہیں۔ اور ہر پہلو سے بتاتے جاتے ہیں کہ ہم تمہارے ہی ہیں۔ غیر نہیں یہ جلوس تمہارا ہی بنایا ہوا ہے۔ اور تمھارے ہی لئے ہے۔

ابھی یہ جلوس آدھے ہی رستہ پر ہے کہ اس سے دور ایک محلے میں جامع مسجد کے سامنے کچھ لوگوں میں تکرار ہو رہی ہے بات یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے شیخ جی کے زمانے میں اگر اس تجارت کا حال بتلا ہو جاتا ہے تو مگر ... شیخ کرسٹ کا ... دکھن لاتے ہیں۔ شیخ کاغذی کہلاتے ہیں مگر سینے میں فولاد کا دل ہے ... سارے اگلے وقتوں کے لوگ ہیں مری مردی گاڑھے میں سمو دیتے ہیں۔ ان کے مکان کے سامنے سے جلوس پٹیالہ کے کچھ سپاہی ایک قیدی نانوں نام کو لئے جا رہے ہیں۔ یہ حکومت کا بھاگا ہوا ملزم ہے۔ جگہ جگہ سر چھپاتا پھرا آج ہاتھ لگا ہے۔ مگر نانوں بڑے صبر اور وقار کے ساتھ جا رہا ہے۔ اس ... کی خاص بات تھی۔ جانے کیا بات پڑی کہ شیخ کاغذی ... کے آگے نانوں کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ مالیر کوٹلے میں ... نے ساری زندگی اسے مجھے پٹیالے میں ایسی موت مرنا ہوگا۔ ... یہی نوا ... نہیں کی جا سکتی۔ شیخ کے کان میں بھی بھنک پڑ گئی ... اور سپاہیوں کو للکار کر کہا نانوں ہمارا مہمان ہے۔ اب یہ ... سے آگے نہ جا سکے گا۔

پٹیالہ کے سپاہی جو اسلحہ سے زیادہ جذبہ وفاداری سے آراستہ ... نفسی کو ڈھال ... نمک حلالی کی سرشاری میں علاقہ غیر ... شیخ نزاکت سے بالکل بیگانہ ... گئے ... ان کی درشتی نے محلہ داروں کی تائید کو اکسایا۔ اپنے کی تیغ بھی اس زمانے کی خاص صفت تھی بیسیوں اڑوسی پڑوسی بے سوچے سمجھے شیخ کاغذی کا دم بھرتے ہوئے لڑنے مرنے کو آ دھمکے۔ جذبات کی شریفانہ جنگ ... سکے شریفانہ مقابلے کا پہلو بدلنے کو تھی کہ ایک معتمد ریاست نے سپاہیوں کو سمجھا بجھا کر ساتھ لیا۔ اور دربار میں باریاب ہونے کا مشورہ دیا سپاہی مایوس ہو کر نواب کے پاس گئے۔ نواب نے شیخ سے پوچھا۔ شیخ بولے نانوں میرا مہمان ہے۔ اگر آپ اسے اپنے پاس رکھیں تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ شرط یہ ہے کہ اسے دوسری جگہ نہ بھیجا جائے۔ نواب سب کچھ سمجھ گئے دل نے کچھ فیصلہ کیا ہونٹوں کی مسکراہٹ نے تائید کی۔ مہاراجہ پٹیالہ کو ایک مراسلہ لکھا گیا۔ کہ ہم نے آپ کا ایک شکار رکھ لیا۔ آپ ہمارے چار شکار رکھئے مگر ہمیں اپنے بھائیوں کی سرعدول منظور نہیں۔

نانوں کی آخری آرامگاہ شہر مالیر کوٹلے سے شمال مغرب کی طرف کوئی پون میل کے فاصلہ پر ہے۔ رات کے سناٹوں میں اکثر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی روح اب بھی شیخ کاغذی کی مہمان نوازی اور نواب سکندر علی خاں کے ایثار و دردداری کو سسکیاں لے کر یاد کر رہی ہے۔

٭ ٭ ٭

بقیہ اخبار و آرا صفحہ (۴)

دہلی میں نصرت پردہ سوشیل کلب کا جلسہ ہوا۔ یہ امر باعث فخر و مسرت ہے کہ خواتین اسلام ہندوستان میں سیری پردہ کاموں میں پیش پیش ہیں۔

علی گڑھ میں میڈیکل کالج ایکسپرٹ کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ میڈیکل کالج کی تعمیر کے لئے قلعہ علی گڑھ کے پاس ... جگہ منتخب کر لی گئی جس میں توسیع کی بھی بہت گنجائش ہے اس حقیقت کا انکشاف ہوا ہے کہ ۱۹ لاکھ روپیہ کے عطیات فراہم ہو چکے ہیں۔ کاٹھیاواڑ۔ بہاولپور اور دیگر ... کی ریاستوں سے مزید ۵ لاکھ روپیہ حاصل ہونے کی توقع ہے۔ ابتدا ۵۰ طلبہ جن میں لڑکیاں بھی شامل ہوں گی۔ ہسپتال میں مریضوں کے لئے ۲۵۰ بستر مہیا ہوں گے۔ کمیٹی نے کالج کو چار مراحل میں توسیع دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ آخری مرحلہ میں زنانہ طلبہ اور اسٹاف کے لئے ایک ہزار بستر ہوں گے۔ نرسوں کے لئے ٹریننگ سکول کے قیام کی تجویز بھی زیر

فورٹ۔

کلکتہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر صدیقی نے ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اسلامی سائنس سے ... وہ خاص سائنس ہے جس کی بنا مسلمانوں نے رکھی اور اس کو ترقی دی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مسلمانوں نے ایک ہزار سال پیشتر مشرقی سائنس کو فروغ دینے میں بڑا حصہ لیا۔ یونانی۔ عبرانی۔ سنسکرت اور دوسری زبانوں سے تراجم کئے۔ ابوبکر ذکریا رازی یورپ کے بڑے سائنسدان کہلاتے تھے۔ اور وہی موجودہ کیمسٹری کے موجد اور بانی ہیں۔ آنریبل تمیز الدین خاں نے بحیثیت صدر جلسہ تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اگر مسلمان سائنس کو ترقی اور فروغ نہ دیتے تو وہ صدیوں پیچھے رہ جاتے اسلام نے دوسری اقوام کو بھی سائنٹیفک مشاہدہ۔ عمل اور ترقی کی ترغیب دی۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کی ہستی اسلامیان ہند کے لئے بہت غنیمت ہے آپ اکثر نوجوانوں کو صراط مستقیم کی تلقین فرماتے رہتے ہیں۔

(بقیہ صوبہ سرحد اور لیگی وزارت صفحہ ۱۱ سے آگے)

اگرچہ سردار صاحب کی وزارت مسلم لیگی وزارت تھی۔ ولیکن صوبہ سرحد میں ابتدائی مسلم لیگ کی عملی کمیٹی نے باہر سے خاص طور پر پہنچایا۔ انھوں نے ایک ماہ سے کر جس قدر صوبہ سرحد کے مسلمانوں کو لیگ کے مقاصد واغراض سے واقف وآشنا بنایا اس قدر وزارت اپنے مدت قیام میں نہ بنا سکی لیگی وزارت نے پبلک کی خدمت اور حسن عمل سے صوبہ میں مقبولیت حاصل نہ کی اور یہی بات مسلم لیگ کے اغراض کے منافی ہے اور اس فرد گذاشت کے باعث وزارت کو استعفےٰ کا یوم بد دیکھنا پڑا۔ ان کی ناکامی کی بہت کچھ ۔۔ بات آئندہ اور معلوم ہوں گی۔

سابق میں جب ہم نے لیگی وزارت کا خیر مقدم کیا تھا۔ تو ہم یہ امید کرتے تھے کہ صوبہ کی فضا ما دھا کے احکامات کے اثرات سے پاک ہوجائے گی۔ اور اس کمل مسلم اکثریت والے صوبہ میں ایک مفید انتخابی حکومت کا دور دورہ ہوگا۔ اور ایک دن وہ آئے گا۔ کہ سب سے اول ہندوستان میں حکومت الٰہیہ کا قیام اس صوبہ میں ہو۔ مگر افسوس جو کچھ ہوا۔ ہماری امیدوں کے خلاف ہوا۔ لیکن اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا بھی منافی ایمان ہے کیا معلوم کہ ڈاکٹر خانصاحب کو خداوند کریم توفیق دے کہ وہ کانگریسی رنگ چھوڑ کر خالص اسلامی رنگ اختیار کریں۔ اور وہ خود سردار اورنگ زیب خاں کو دعوت دی کہ وہ دونوں مع اپنی موجودہ مختلف جماعتوں کے مل کر متفق ہوجائیں اور صوبہ کے نظام حکومت کو ایسے طریق پر چلائیں جس میں تمام صوبہ کی آبادی کی عام طور پر اور مسلمانوں کی خاص طور پر بہتری و خدمت ہو۔ اور اسلامیان ہند اور خصوصاً افاغنہ ان کے مستحسن عمل اور خدمت خلق کی مثال پر مفتخر ہوں۔

بقیہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ صفحہ ۱۲

میں ہونا طبیہ کالج کو جس پر قوم کا اب تک دس لاکھ روپیہ خرچ ہوچکا ہے۔ بحیرہ طبیہ ہند بنا دے گا۔

ہر چیز کو قایم کرنے میں یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ اس پر صرفہ مفید ہوگا۔ کہ غیر مفید۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد نے اب یہ فیصلہ کرلیا ہے۔ کہ پاکستان ہی ہندوستان کی سیاسی الجھن کا واحد حل ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ علی گڈھ پاکستان کے نقشہ میں ہوگا بھی یا نہیں یا ہوا اگر وہ نہ ہوگا تو تمام ہندوستان کے مسلمان کس طرح وہاں پر تعلیم حاصل کرنے کے لئے سعی کریں گے۔ اور وہاں کے تعلیم یافتہ میڈیکل گریجویٹ کی صوبائی عصبیت کی وجہ سے علی گڈھ سے باہر کیا قدر وقیمت ہوگی۔ ہمارے خیال میں ان سب کیفیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس اہم سوال کا جواب غیر تسلی بخش ہے۔ مسلمان ایک غریب قوم ہے وہ اس قدر روپیہ کو چند اصحاب کی نام آوری کے لئے خراب کرنا برداشت نہ کرسکے گی۔ ہمیں ڈر ہے کہ یہ صرفہ ایسا ہی سانحہ انگیز ثابت نہ ہو جیسا کہ خلافت فنڈ و دیگر ہیچ قسم۔

اگر اس وقت انجنیرنگ کالج۔ ہوائی جہازوں کا انسٹیٹیوٹ اور طبیہ کالج جو طب وجراحی کی عمدہ تعلیم کا مرکز ہو صحیح اور مکمل امداد پر قایم کردیئے جائیں۔ تو موجودہ کارکنان کا قوم پر بہت بڑا احسان ہوگا۔ ورنہ ان سب کی زبوں حالی اور میڈیکل کالج کی بالا فرناکامی ایک وحشت انگیز منظر ہوگا۔ جس کے تخیل سے ہم کانپتے ہیں۔ ہنگامہ میڈیکل کالج کی بابت اس وقت اسی قدر کافی ہے۔ امید ہے رہبران قوم اس پر غور فرمائیں گے۔

افغانوں کو علیگڈھ کالج ویونیورسٹی کی امداد۔ خدمت اور حصول علوم کا کافی تعلق رہا ہے۔ اور اب تک ہے روہیلکھنڈ۔ دوآبہ لبت جالندھر۔ پنجاب اور صوبہ سرحد وبلوچستان کے افغانوں کو اس سرچشمہ علوم سے بہت فیض ہوچکا ہے۔ صوبہ سرحد میں تو اسی فی صدی تعلیم یافتہ علی گڈھ کالج ویونیورسٹی کی پیداوار ہیں۔ اور وہ اس تعلق پر فخر کرتے ہیں۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اب تک علیگڈھ یونیورسٹی تعلیم وتمدن میں مسلمانوں کے لئے خاص امتیاز وفخر کی درسگاہ ہے۔ اور یہ ہی وہ ادارہ ہے جہاں علی گڈھ تحریک نے جنم لیا جو اسلامیان ہند کی سیاست کا اساس اور اس کی تشکیل کی ترکیب ہے۔

افغان گزٹ

(۱) خان عبدالجبار خانصاحب تحصیلدار پاک پٹن سے تبدیل ہوکر لائل پور تحصیل میں متعین ہوئے ہیں۔ خان صاحب موصوف نو عمر۔ اتھک اور جوشیلی طبیعت کے افغان ہیں۔ قدرت نے آپ میں ظاہری وباطنی دونوں حسن ودیعت فرمائے ہیں۔

(۲) خان غلام حسین خاں صاحب سب انسپکٹر پولیس میانوالی سے تبدیل ہوکر تھانہ سیتانہ میں متعین ہوئے ہیں۔ آپ نہایت دلیر دیانتدار اور بہادر افغان ہیں تھوڑا عرصہ ہوا کہ آپ کا مقابلہ ڈاکوؤں کے ایک گروہ سے ہوا۔ غرض آپ بڑی دیانتداری سے اپنے فرض منصبی کو ادا کر رہے ہیں

خطوط!

جناب من (ایڈیٹر افغان)

آپ کا ماہنامہ افغان پشاور میونسپل لائبریری میں نظر سے گذرا میں نے اس کے مضامین کو کافی دلچسپی سے پڑھا۔ میں آپ کے خیالات کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ کہ آپ افغانوں کے قومی احیاء اور فلاح و بہبود کا بڑا ایکرا نٹے ہیں۔ اور خصوصاً ان کی حیات ملی کے اقتصادی و تمدنی پہلو پر توجہ دیتے رہتے ہیں۔

میں آپ کی خدمت میں معلوم دنیا (ہفتہ وار) کے پرچے ارسال کرتا رہا ہوں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ میں بھی ایک عرصے سے حیات افغانی کے اسی پہلو پر بحث کر رہا ہوں۔

میری رائے ہے کہ تمام ہفتہ وار اخبار اور دوسرے مجلے جو تحریک افاغنہ کے حامی و مویدین الرتعاون سے کام کریں اور اس تحریک کو ہندوستان بھر میں مشترک جدوجہد سے موثر بنائیں تو منزل پر پہونچنے کا راستہ بہت مختصر ہو سکتا ہے۔

امید ہے کہ آپ میرے خط کی روح عبارت کو خوب سمجھ گئے ہوں گے۔ آپ کے تعاون وتعاون کے لئے گہرے جذبات امتنان کے ساتھ۔

آپ کا مخلص

(خان) عبدالرحمن خان مدیر ہفتہ وار "معلوم دنیا" پشاور

کرمفرمائے من بندہ جناب خانصاحب۔ السلام علیکم۔

آنکہ نہایت مسرت کے ساتھ التماس ہے۔ کہ آپنے آنریری قومی خدمت کو قبول فرما کر قوم کو مشکور کیا تہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں امید ہے کہ آپ نہایت کوشش اور جانفشانی سے اس خدمت کو سرانجام فرمائیں گے۔ جو قدرتی طور پر آپ کی طبع میں عطا شدہ ہے اور ہر لحاظ سے موجب اطمینان ہوگا۔

میں نے کئی خطوط محبوب علی خان صاحب ایڈیٹر کے نام روانہ کئے مگر افسوس کہ جواب ملا۔ عه ۔ ضرورت تحریر یہ ہے کہ میں نے ان کی خدمت میں تحریر کیا ہے۔ کہ کوئی مستند تواریخ افغانان قیمتاً اگر مل جاوے تو بذریعہ وی پی پارسل روانہ فرما کر مشکور کریں۔ اور اگر قیمتاً نہ مل سکے اور کسی بھائی کے پاس ہو تو چند ماہ کیلئے مانگ کر بھیج دیں۔ میں پڑھنے کے بعد واپس کر دوں گا۔

دوم خان عبدالرزاق خاں انسپکٹر پولیس انفورسمنٹ سٹاف کوہاٹ مکان عبدالسلام خاں صاحب سفید پوش جلب ۳۸۶ گ۔ تحصیل سمندری ضلع لائل پور کے ہر دو کے نام افغان جاری کیا جاوے۔ مگر ہر دو کو ہنوز صرف ایک ایک پرچہ ملا ہے۔ ان کی شکایت ہے۔ رفع کی جاوے۔

ماہ نومبر ۱۹۴۴ء کا پرچہ تو مجھکو بھی نہیں ملا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ شاید ہی نہیں ہوا۔ اب دسمبر کا پرچہ دیکھنے سے اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے براہ مہربانی نومبر کا پرچہ بھجوا دیں۔

ماہ دسمبر ۱۹۴۴ء کا پرچہ افغان دیکھتے ہوئے معلوم ہوا کہ افغان کمیٹی نو مرزے قومی سفیر جگہ گشت کرے گا عین مصلحت اور ضرورت ہے صاحب ممدوح جس وقت لائلپور پہونچے تاریخ سے بندہ کو مطلع کیا جاوے میں ان کے ساتھ ہر طرح خدمت سرانجام دونگا۔ جزاکم اللہ (ادارہ)

نیز ماہ دسمبر ۱۹۴۴ء کے پرچہ میں مضمون کسب معاش فوجی ملازمت کے سلسلہ میں جو مضمون شائع ہوا ہے اس میں بہت کچھ مغالطہ ہے۔ اس کے متعلق میں نے پیشتر ایک مضمون دیا تھا۔ کہ تمام افواج سے باقاعدہ افغان ملازمین کی فہرست حاصل کیجاوے۔ اور نمایاں خدمات کی لسٹ کے حصول سے معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت کس قدر افغان بھائی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ان میں سے کس قدر موجودہ جنگ میں بہادر ہوئے ہیں میرے خیال میں پٹھانوں سے بڑھ کر کسی قوم نے بہادری حاصل نہیں کی مگر افسوس کہ بے سر ہے ہیں۔ اب تو خال خال پٹھان افسر رہ گئے ہیں اور ان کے ساتھ فوجوں میں نہایت غیر انصافی سے برتاؤ ہوا ہے۔

نوٹ:۔ ذیل کا خط ملت افاغنہ کی جانب سے افاغنہ کی ایک مقتدر اور جلیل القدر ہستی کے نام ہوا۔ صاحب مکتوب الیہ اس سلسلہ میں اپنا نام دینا گوارا نہیں فرماتے۔ اور ادارے کا اصرار تھا کہ ملت کو ایسے کام

(بقیہ بر صفحہ ۳۲)

عه خان محبوب علی خان صاحب، بوجہ چند مجبوریوں کی وجہ سے فرائض ادارت سے سبکدوش ہوگئے ہیں۔ آپ اس کتاب کے سلسلہ میں ناظم مشن خان عبدالرحمن خانصاحب منشی آفتاب زئی، یہ کو لکھئے، نابجو سے ایک کتاب بصورت افغانی عرف حیات نو دری چھپی تھی وہ خالص مفصل تاریخ ہے۔ ۱۹۳۵ء دونوں صاحبان کے اسمائے گرامی داخل رجسٹر کردیئے گئے۔ ان کے چندہ ارسال فرمایئے ۱۹۳۵ء اخبار کا آخری صفحہ

پاسخ نگاری

مکرمی خان علی احمد خانصاحب زاد لطفہ ۴۵ کنٹونمنٹ روڈ لکھنؤ۔

اسلام علیکم

عرصہ ہوا آپ کا گرامی نامہ بتوسط خان بشیر حسین خانصاحب انکم ٹیکس آفیسر دہلی ملا تھا۔ جس میں آپ نے تحریر فرمایا تھا۔ کہ آپ کے پاس کچھ مضامین "افغان" کے لئے قابل اشاعت پڑے ہیں۔ اس کے جواب میں خدمت گرامی میں دو کارڈ ارسال کئے گئے مگر دونوں صدا بصحرا ثابت ہوئے۔

براہ عنایت وہ دونوں مضامین ارسال فرمایئے۔ ادارہ ممنون کرم ہوگا۔ امید ہے آپ حسب سابق افغان کی توسیع اشاعت میں ساعی ہوں گے۔ والسلام

(ادارہ)

مخدومی مکرمی جان جعفر خانصاحب ... ریاست پنجاب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔

آپ نے اپنے خط سے ادارے کو الجھن میں ڈال دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان نہ صرف ابنائے وطن کے ہاتھوں ذلیل ہو رہا ہے۔ بلکہ خود اپنے ہی "آشنا" کے ہاتھوں نالاں ہے۔ یہ حال ان ممالک کا ہے۔ جہاں زبان و بیان کی قیدیں کچھ ڈھیلی ہیں۔ آپ اس زمانے میں ریاستوں کا ذکر لیکر بیٹھے ہیں۔ جہاں کے اکثر نظام آثار قدیمہ میں محفوظ رکھنے کے قابل ہیں۔ مسلمان اس وقت پستی میں ہے۔ لیکن غالباً اتنا پستی پر نہیں پہونچا۔ جہاں جا کر اسے اپنی ذلت کا احساس ہو۔ لیکن یقین ہے کہ اپنی سہل انگاری وخود غرضی کے ہاتھوں بدتر دن دیکھے گا۔ اَللّٰھُمَّ احفظنا مِنْ کُلِّ بَلَاءِ الدنیا والآخرۃ۔

پھر مسلمانوں کا اسفل اور غیر منظم ترین طبقہ پٹھانوں کا ہے۔ اگر اس پر من حیث الجماعت کہیں ظلم ہو رہا ہے اور حقوق پر کاری ضربیں پڑ رہی ہیں۔ تو اس کا ذمہ دار خود وہ طبقہ خود ہے۔ وہ کیوں منظم نہیں ہوتا۔ ان میں سے ایک فرد کیوں دوسرے کی تخریب پر اپنی تعمیر کی بنیاد رکھتا ہے۔

آپ اس غلط خیال کو دماغ سے نکال دیں کہ آپ کی اپنی تنظیم آپ کی اپنی قربانی۔ آپ کے اپنے ایثار۔ حب قومی۔ اخلاق بلند کے بغیر آپ کو کبھی قوموں کے برابر جگہ مل سکتی ہے۔ اور دوسرے ہم قوم آپ کی کچھ مدد کر سکتے ہیں یا آپ کے حقوق کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ ایک دلچسپ مگر عبرت انگیز واقعہ سنئے۔ ایک محترم نے ایک محفل میں آزاد قبائلی علاقے کے کسی افغان کی ملاقات کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا۔

جب امیر امان اللہ خان افغانستان کو چھوڑ کر یورپ چلے گئے اس زمانے کے لگ بھگ ایک سرحدی پٹھان ہینگ وغیرہ بیچتا آگیا۔ باتوں باتوں میں امیر مذکور کا تذکرہ چھڑا تو پٹھان کے تیور متغیر ہو گئے اس سے پوچھا گیا کہ امیر امان اللہ خان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ اس نے کہا دیکھو بھائی یہ ہماری گٹھڑی اگر تم چاہو کہ کسی طرح اس پر قبضہ کر لو۔ تو کم از کم میری زندگی میں ایسا نہیں ہو سکتا میں تم کو مار دوں گا۔ یا خود کٹ مروں گا۔ اور اس گٹھڑی کا مال ساٹھ ستر سے زیادہ کا نہیں۔ تم اس امیر کا ذکر کرتے ہو جو اتنا کچھ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس کا ذکر مت کرو۔ وہ پٹھان نہیں تھا۔

یہ ہے روح افغانی آپ اپنے حقوق کو جائز خیال کرتے ہیں۔ تو ان کی حفاظت کیجئے۔ ادارہ آپ کے لئے اسی وقت آواز اٹھائے گا جب آپ کی تنظیم سے مطمئن ہو جائیگا۔ غیر منظم اقوام کا حق ہے۔ کہ وہ دنیا سے مٹ جائیں پھر ہم کسی کے حق میں سدراہ کیوں بنیں۔

افغان قوم کے ہر فرد کو علم دوست۔ آزاد ضمیر مخلص عفیف۔ غیور اور شیر بن کر زندہ رہنا چاہیئے۔ اسے کسی دوسرے غیر کا پس خوردہ

علوم جدید

چاند کا سفر پروفیسر اے ۔ ایم لو برطانوی سائنسدان ہیں ۔ انھوں نے ایک جگہ بیان کیا ہے کہ چاند کے سفر کے سلسلے میں ہوائی خدنگوں کے ابتدائی منصوبے اور سفر کے ضروری آلات تیار ہو چکے ہیں ۔ آپ نے جرمنی کے ہوائی خدنگوں ،، وائی بوں ،، کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ موجودہ جنگ میں یہ بم سب سے زیادہ اہم اور سب سے بڑھکر ترقی یافتہ دریافت ہیں ۔ آپ نے بتایا کہ اس وقت تک یہ بات حاصل ہو چکی ہے کہ معمولی معمولی ہلکی موٹر کشتیوں سے ان خدنگوں کو آسانی سے چھوڑا جائے ۔

گزشتہ جنگ عظیم کے پہلے چند سالوں میں پروفیسر لو نے انگلستان میں اسی قسم کا بم تجویز کیا تھا ۔ چنانچہ اسے تیار بھی کیا گیا ۔ آپ نے اپنی تقریر کے دوران میں بتایا کہ اتحادی فوجوں کی جنگی تجاویز سوچنے والوں نے خدنگچے کے عقبی فلیتے کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دی حالانکہ یہی چیز حقیقت میں کام کی چیز ہے

ہوائی خدنگچہ اگرچہ وزنی ہوتا ہے اور ناقابل یقین رفتار سے چلتا ہے ۔ اور اس میں آتشگیری کی مہیب طاقت پوشیدہ ہوتی ہے ۔ لیکن اس میں ایک بڑی بات یہ بھی ہے ۔ کہ اسے اڑنے کے لئے کسی تیار رشدہ زمین کی ضرورت نہیں ہوتی یہی بات اسے جنگ کا بہترین اور آسان ترین آلہ بنا دیتی ہے پروفیسر لو کا خیال ہے کہ یہ آلہ جنگ ہی کے لئے بہترین نہیں بلکہ صلح کے دنوں کے لئے بھی کارآمد ہے ۔ جنگ کے زمانہ میں اس کا کام دشمن کو مجروح کرنے کا ہے ۔ حملہ کرنے والا خود بہت دور رہتا ہے اور اس خدنگچے کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ تباہ کن مادہ دشمن کی طرف پھینک سکتا ہے ۔ اس مقصد پر یہ آلہ بالکل درست بیٹھتا ہے ۔

لیکن اس کے خلاف اگر کوئی یہ بات کہے کہ مسافر اس میں بیٹھ کر چاند تک پہونچ سکتے ہیں تو یہ ناممکن نہیں ۔ اس سفر پر غور کرنے کی نسبت اس پر غور نہ کرنا زیادہ مضحکہ انگیز ہے ۔ ہوائی خدنگچوں کی تکمیل میں اس سے بہت کم وقت لگے گا ۔ جتنا پچھلے سالوں میں ہوائی جہازوں کی تکمیل میں لگا تھا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سفر کے سلسلے میں جتنے ضروری آلات درکار ہیں وہ سب مکمل اور تیار ہیں اب صرف اس وقت کا انتظار ہے جب یہ خدنگچے تیار ہو کر مسافروں کو لے جا سکیں گے ہم چاند کے سفر کے لئے جن خدنگچوں کی ضرورت ہوگی وہ اپنی ساخت اور شکل کے لحاظ سے بچوں کے اڑن کھلونوں کی طرح ہوں گے ۔

پروفیسر لو برطانوی بین الکواکب انجمن کے صدر ہیں ۔ آپ کا خیال ہے کہ چاند کے سفر کے لئے جس خدنگچے کی ضرورت ہوگی ۔ اسے ہم کو چاند اور زمین کے درمیانی فاصلے کے نصف تک اوپر اٹھانا ہوگا یعنی خدنگچے کو آگے بڑھانے کی طاقت صرف اس وقت تک درکار ہوگی جب تک وہ زمین کے دائرہ کشش میں ہوگا ۔ دوجہ خدنگچہ اس دائرے سے باہر نکل جائے گا اس وقت چاند کی قوت کشش خدنگچے کو خود بخود کھینچنے لگے گی ۔ اس سفر میں سب سے بڑی دقت وہاں پیش آئیگی جب ہم چاند کی کشش کے خلاف چاند کی سطح پر آہستہ آہستہ اترنا ہوگا ۔ ورنہ ہمارا خدنگچہ چاند کی سطح پر گر کر پاش پاش ہو جائے گا

پروفیسر لو کا خیال ہے کہ آئندہ دس سال کے عرصے میں ہوائی خدنگچے کی رفتار اتنی تیز ہو جائے گی ۔ کہ کوئی ڈاک گاڑی بلکہ کسی بندوق کی گولی اس کا مقابلہ نہ کر سکے گی ۔ لندن سے ڈاک کے تھیلوں کے تھیلے بات کرتے میں نیویارک پہونچ جایا کریں گے ۔ (ماخوذ) جمشید علی خاں (آف مجرا)

بقیہ ـــــ خطوط ـــــ صفحہ ۲۰

خیر کی نقید مثالوں کی ضرورت ہے ۔ اس لئے مکتوب الیہ کے اسم گرامی کے بغیر یہ خط صفحات افغان میں شائع کیا جاتا ہے ۔ تاکہ دوسرے محترم حضرات بھی اپنا فرض پہچانیں اور مستحق بھائیوں کی خدمت قدمے سخنے فرمانے میں دریغ نہ فرمایا کریں ۔ ارشاد نبوی صلعم کے مطابق کلمہ خیر نجات تک کا کفیل ہوتا ہے ۔

والاشان جناب خانصاحب

اسلام علیکم ! آپ کا رقعہ مبارک (............) کے نام لیکر میں (.........) چلا گیا شاہ صاحب نے آپ کے رقعہ کی کافی قدر کی اور مجھ سے ایک درخواست لکھوا کر اپنے پاس رکھ دی ۔ بعد میں انھوں نے وہ درخواست ڈائرکٹر (.........) کی خدمت میں بھیج دی ۔ اس کے علاوہ ایک دوسری درخواست خود لے کر ڈائرکٹر (.........) کے پاس گئے ۔ ڈائرکٹر نے شاہ صاحب کو تسلی بخش جواب دیا ۔ امید ہے کہ آپ کے دعا اور برکت سے کامیابی ہو جائے گی ۔ میں کسی ضروری کام کی وجہ سے مسعد ھا فر نہ غریب خانے پر آگیا ہوں جس کی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا ۔ اور آپ کو حالات سے آگاہ بھی نہ کر سکا مجھے فروری کے اختتام پر حاضر خدمت ہو جاؤں گا ۔ میں آپ کا اور شاہ صاحب کا کسی طرح سے بھی شکریہ ادا نہیں کر سکتیں ۔ آپ ہر دو صاحبان نے

نقد و بصر

محقق الحاج حج کے سلسلے میں لاتعداد کتابیں عربی فارسی اردو اور دوسری زبانوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ان کا مقصد زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ حجاج کو سفر میں آسانی ہو۔ انھیں تمام مقامات کا علم ہو اور جس جس مقام پر جس تکلیف کا امکان ہو وہ اس جگہ پہونچنے سے پہلے اس کے تدارک کے لئے تیار رہیں۔

پھر جس جس جگہ جو آسانیاں اور سہولتیں بہم پہونچ سکتی ہیں ان کا بیان ہوتا ہے۔ ان عام باتوں کے علاوہ مناسک حج شرائط و سنن کے بارے میں تفصیلی احکامات مرقوم ہوتے ہیں۔ تاکہ ایک ناواقف حاجی بغیر کسی ہمراہی کی معیت کے ارکان حج بخوبی ادا کر سکے۔

محقق الحاج میں یہی باتیں ہیں۔ مگر ان کے پیرایہ بیان میں بے انتہا دلچسپی ہے۔ اس کتاب کو جناب حاجی عبدالقدوس خان افغان سابق مفتش وزارت معارف افغانستان نے تالیف و ترجمہ کر کے اردو میں شائع کیا ہے۔

اصل میں یہ کتاب انگریزی زبان میں شائع ہوئی تھی جس پر سفیر مملکت سعودیہ مقیم لندن کا خط شامل تھا۔ کتاب کی مصنف ایک انگریز خاتون ہیں جن کا نام ادلین کابلڈ ہے۔ آپ شرف باسلام ہوئیں اور حج بیت اللہ سے شرفیاب ہوئیں۔ یہ کتاب آپ کا روزنامچہ ہے جس میں آپ نے فریضہ حج کی ادائیگی بالتشریح لکھی ہے۔

خاتون محترم کے جذبات خود تاثیر اسلامی کا بیش بہا مرقع ہیں۔ کتاب حج کی اہمیت و ارکان و مناسک ضوابط معنی و اساس سے لبریز ہونے کے علاوہ وہ بہترین کوائف سفر و تمدن عرب و رسم و رواج حجاز کی آئینہ ہے۔ شروع میں نو مسلمہ کے مقدمے کا ترجمہ بھی دیا ہوا ہے۔ اصل میں یہی مقدمہ اس قابل ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر ہم باہمی نفاق و شقاق بحث ابو بکر و علی کو قطع نظر کر کے اسلام کی تبلیغ کریں تو محمدؐ کے سچے فدائی کتنے پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور کچھ اسلام کی کمی اشاعت میں کیا باقی رہ جاتا ہے۔ اگر اس کتاب میں صحت ترجمہ و صفائی کتابت کا ذرا زیادہ خیال رکھا جاتا تو کتاب بعض بعض لائبریریوں پر بھاری تھی۔ تاہم جن کو خدا حج کی توفیق دے انھیں ضرور خریدنی چاہیئے۔ اور دوسرے اصحاب کو بھی خیر و برکت کے خیال سے اسکی ایک جلد ضرور رکھنی چاہیئے۔ کتاب پر قیمت درج نہیں۔ ملنے کا پتہ حاجی عبدالقدوس خان افغان کرن پورہ دون

تعارف نامہ

مکرمی خان .... السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کی خدمت میں "افغان" ارسال کیا جا رہا ہے۔ ادارے کو آپ کا غائبانہ تعارف .... کے ذریعہ ہوا ہے چنانچہ انھیں کے ارشاد گرامی سے خدمت والا میں رسالہ بھیجا گیا ہے۔ امید ہے کہ آنجناب افغان کے پیغام و مقاصد میں دلچسپی لیں گے۔ بہر حال اپنی رائے سے ادارے کو مطلع فرمائیں گے۔

بصورت سکوت ادارہ یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوگا کہ آپ کو اپنے قومی مجلہ کی سرپرستی فرمانے میں کوئی تامل نہیں۔ اور آپ کے نام رسالہ وی پی کر دیا جائے گا۔

کیونکہ رسالے کا سال جنوری سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے شروع کے مہینوں میں ارسال کردہ وی پی کے ساتھ جنوری سے لیکر وی پی شدہ رسالے تک کے تمام مہینوں کے پرچے ساتھ بھیجدیئے جاتے ہیں تاکہ آپ کا چندہ جنوری سے دسمبر تک شمار کیا جائے۔ اس میں آپ کے لئے اور دفتر کے لئے چند سہولتیں ہیں۔ والسلام (ادارہ)

بقیہ پاسخ نگاری صفحہ ۱۲ سے آگے

کھانے میں انتہائی غیرت سے کام لینا چاہیئے۔

ادارہ ہمیشہ آپکا ہے اور آپ ہی کی خدمت کے لئے وقف ہے۔ لیکن براہ کرم وہ اسباب پیدا کیجئے جن میں اسکی آواز موثر ثابت ہو۔ اگر ایک شخص امواج دریائے میں آگیا ہو اور دوسرا شخص کنارے پر چیخ پکار کرے تو اس سے غرقابی پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ بازوؤں کو مضبوط بنائیے اور شناوری کی مہارت کیجئے۔

اگر آپ فرعون کے تسلط میں رہیں تو گوسالہ سامری کی آواز پیدا نہ کیجئے بلکہ قرآن حکیم کی روشنی میں عصائے موسیٰ تلاش کیجئے۔ خدا آپکے قبیلے کو ثبات و استقلال کی توفیق عطا کرے اور منظم ہونے کی صلاحیت دے۔ تاکہ آپ دوسروں کی مدد تلاش کرنے کے بجائے خود۔ مامن و ملجا بن سکیں۔

ناتوانوں کی سزائیں ہیں نیاز زندگی

(ادارہ)

اصولِ معاملہ

(۱) "افغان" ہر انگریزی مہینے کی پندرہ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) ماہنامہ موصول نہونیکی صورت میں ۲۵ تاریخ تک اطلاع دیجئے بصورت دیگر پرچہ بلاقیمت نہ مل سکے گا۔

(۳) چندہ سالانہ پانچ روپیہ ہے۔ یہ رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں آپکی جیب اور ہمارے وقت کو کفایت رہتی ہے۔

(۴) ہر موصولہ رقم کی رسید بھیجی جاتی ہے۔

(۵) ترسیل زر کا پتہ لودھی اینڈ کمپنی، بازار فتحپوری چاندنی چوک دہلی۔

(۶) منی آرڈر کرتے وقت اپنا پورا پتہ صاف لکھئے نیز رقم کی تفصیل بھی درج فرمائیے۔

(۷) ترسیل مضامین کا پتہ دفتر افغان ٹیا محل بازار دہلی۔

(۸) دیگر دفتری خط و کتابت کا پتہ پھوتل خوا۔ بارہ ٹوٹی صدر بازار دہلی۔

(۹) خط و کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیے۔ اس کے بغیر تعمیل ارشاد میں بے انتہا دقت ہوتی ہے۔ (نمبر خریداری کسی نوٹ بک میں نوٹ فرما لیجئے۔

(۱۰) نمونے کے پرچے کے لئے پانچ آنے کے ٹکٹ آنا ضروری ہیں۔

(۱۱) تازہ پرچہ آٹھ آنے۔ (۸/)

ادارہ "افغان" دہلی

(مدیر داعزازی، جلال شیرانی)

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی (اقبال) یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

رسالہ افغان دہلی

جلد ۱۱   بابت ماہ اپریل ۱۹۴۵ عیسوی   نمبر ۴

محراب گل افغان کے افکار

(۱۴)

بے جرأتِ رندانہ ہر عشق ہے روباہی || بازو ہے قوی جس کا وہ عشق ید اللّٰہی

جو سختی منزل کو سامانِ سفر سمجھے || اے وائے تن آسانی ناپید ہے وہ راہی

وحشت نہ سمجھ اس کو اے مردکِ میدانی || کہسار کی خلوت ہے تعلیم خود آگاہی

دنیا ہے روایاتی عقبیٰ ہے مناجاتی

در باز دو عالم را این است شہنشاہی

(علامہ اقبال رح)

ترسیل زر کا پتہ:- لودھی اینڈ کمپنی، بازار فتحپوری چاندنی چوک، دہلی

سردار محمد حیات خاں سلجوقی نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افغانی حیاتِ اجتماعیہ کا

ماہنامہ

افغان

فہرست مضامین

اسلام میں عورت کے ملکی حقوق

قوانینِ اسلام میں مرد اور عورت اجتماعی زندگی کے علمی، اخلاقی و ایمانی پہلوؤں میں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ بھلائی کی دعوت دیتے ہیں وغیرہ۔ اس مساوات کی وجہ یہ ہے کہ اسلام عورت کو پیدائش سے انسان تصور کرتا ہے۔ لہٰذا عورت اپنے انسانی حقوق میں مرد کے برابر ہے۔ انسانی دنیا میں عورت ایک مستقل فرد ہے اور اجتماعی زندگی کا ایک جزو لاینفک وخلقناکم زوجین لعلکم تفکرون (لفظ زوجین کے مفہوم میں مرد و عورت دونوں یکساں ہیں۔ لہٰذا انسانیت کے اوصاف میں اسلام مرد اور عورت کے حقوق میں امتیاز نہیں سمجھتا۔ اور انسانی حقوق میں دونوں کو یکساں آزادی وحقوق دیتا ہے۔ ولھن مثل الذین علیھن بالمعروف (ترجمہ۔ عورتوں کیلئے بھی اسی طرح حقوق مردوں پر ہیں جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں)

عورت کو یہ شرفِ انسانی عطا کر کے اسلام نے اس کو مالی، دیوانی، فوجداری وقانونی حقوق ایسے دئیے ہیں جس میں وہ مرد کے برابر ہے۔ اور بعض حالات میں صنفِ نازک کی رورعایت سے اور سماجی مفاد کی خاطر اس کے حقوق قدرے مرد سے زیادہ بھی ہیں مرد کی طرح عورت مال وجائداد کی مالک ہوسکتی ہے اور اس میں ہبہ بیع، رہن اور ہر قسم کے تصرفات کرسکتی ہے۔ اپنے بزرگوں اور نسلی عزیزوں کی املاک میں اس کا حصہ ہے۔ اسلام کا قانونِ وراثت اس قدر مکمل ومستوا ہے کہ دنیا کا کوئی دوسرا مذہب وتہذیب ایسا مکمل ضابطۂ وراثت پیش نہیں کرسکتا۔ ہر ترکہ میں عورت کا حصہ بلحاظِ رشتہ و وراثت متعین ہے للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب [illegible]

عورت کے حصے کے تعین کا عام فارمولا یہ ہے کہ عورت کا حصہ مرد کے حصہ کا نصف رکھا گیا ہے جس کی تہ میں بڑا انصاف کا اصول ہے۔ عورت باپ کے ہاں بیٹی بن کر پیدا ہوتی ہے۔ پرورش پاکر جوان ہوتی ہے۔ زوجیت کا فطری فرض ادا کرنے کیلئے وہ باپ کے ہاں سے رسوم ومعلوم کے ساتھ نکاح ہو کر شوہر کے ساتھ رخصت ہوتی ہے وداعگی کے وقت ماں باپ کے یہاں سے اس کو جہیز و زیورات اور اکثر املاک ملتی ہیں۔ برادری اور بارات کی شہادت میں دولہا سے مہر مقرر کرایا جاتا ہے۔ جس کا سرانجام اس کا باپ یا بھائی بحیثیت ولی کرتا ہے اس طرح اس کے حقوق مہر تصدیق کیکر پختہ ہوتے ہیں اور یہ دخترِ عزیز دوسرے کی زوجہ بن کر رخصت کی جاتی ہے سسرال میں اس کی پوزیشن خاوند کی زوجہ اور بچوں کی والدہ کی ہوجاتی ہے۔ ان منصبوں ورشتوں کی بدولت وہاں پر اسکے حقوق اور قائم ہوجاتے ہیں۔ باپ کے انتقال پر اس کے ترکہ میں سے بیٹی کو علاوہ ابتدائی جہیز کی رقم و قیمت اور خرچہ شادی کے بھائیوں کے حصہ کا نصف ملتا ہے۔ غرضیکہ اگر اس سب کا جائزہ لیا جائے تو شرع اسلام میں میکہ وسسرال سے عورتوں کو مردوں سے زیادہ حقوق وحصہ ترکہ ملتا ہے۔ اس کی مثال دوسرے مذاہب وتہذیب پیش نہیں کرتے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اس میں ایک گہرا فلسفہ ہے۔ عورت ایک فطری ضعف وکمزوری رکھتی ہے۔ اور ان مجبوریوں کے باعث اس کی کمائی اور ملک پیدا کرنیکی استعداد مرد کے مقابلہ میں عام طور پر کم ہے۔ لہٰذا یہ زیادہ باصواب ہے کہ تقسیم حقوق میں کمزور کی رعایت کی جائے اور اس میں تعین وحاصل کر کے محفوظ کیا جائے۔ ورنہ طاقتور اپنی طاقت کے نشے میں انکو ہمیشہ سلب کرنے اور چھین کھسوٹ کے درپے رہیگا۔ چنانچہ اسلام نے اپنے اخلاقی نظام میں عورت کے وراثتی ملکی حقوق کا تعین کر کے ان کے تحفظ کا طریقہ و انتظام مقرر کیا ہے۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود ان حدود و تصریحات کے مردانہ قوت عورت کے خلاف کام کرتی رہتی ہے۔ اگرچہ شرع اسلام نے حقوق حیاتی [illegible] ملکی ووراثتی کما حقہٗ [illegible] ہیں۔ مگر دنیا میں اس قدر تصرف کیا کہ عورت کو اس کے بہت سے حقوق سے محروم کردیا۔ اسی شرعی بغاوت وعصب کے باعث خود اس کی معاشی وسماجی حالت خراب ہوگئی۔ اسکی دستبرد کے باعث اسلام میں عورت کا وہ مساوی بلکہ ممتاز درجہ نہ رہا جو شرع اسلام نے قائم

کیا تھا۔

مسلمانوں نے عرب سے نکل کر سمندِ فتح کو جب مہمیز لگائی اور خدا کی دنیا کے ممالک ان کے زیرِ نگیں ہوئے تو تہزوری اور فتوحات کے نشے میں مرد و عورت کی شرعی قائم شدہ مساوات اسلامی کو وہ بھلا بیٹھے۔ مہمات و ملک گیری میں کشت و خون و زبردستی جو طاقت کے نمود اور بدنما مظاہرات ہوتے ہیں۔ ان کے باعث مردوں کو اپنی جسمانی طاقت کا غیر معمولی گھمنڈ اور خیال پیدا ہو گیا۔ اور با وصف اسلامی قانون و شرعی ملکی حقوق کے جو انسانی مساوات پر مبنی ہیں مسلمان مرد عام طور پر عورت کو اس کے فطری ضعف کے باعث حقیر اور محروم سمجھنے لگا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان اقوام میں جو لطیت و شجاع ہوتی ہیں عورتوں کے انسانی حقوق کو اکثر مردوں نے غصب کر لیا۔ یہ کیفیت غیر شجاع اقوام میں نہیں پائی جاتی۔ اور اگر ہے بھی تو کم۔ دوئم مسلمانوں سے یہ غلطی ہوئی کہ جن ممالک میں وہ فاتح ہو کر گئے وہاں پر انھوں نے اپنے بہتر مذہبی و مکمل اصولوں کو چھوڑ کر محض خود غرضی کے باعث مفتوحہ اقوام کے کمتر سماجی، وراثتی اور ملکی اصول اختیار کر لیئے۔ ان دونوں کیفیات کا اثر افغانوں کی زندگی پر بہت بدنما طریق پر ہوا۔

افغان ایک کوہستانی اور جری قوم ہے ان کے مخصوص ماحول اور ذہنیت کے باعث عورت کا مرتبہ ان کی سوسائٹی میں ایسا نہیں ہے جو شرع اسلام نے مقرر کیا۔ افغان نے اپنی طاقت شجاعت اور اعلیٰ دکھ [illegible] عورت کی اسلامی اخلاق کی سطح کر دی [illegible] مساوات [illegible] [illegible] اس کو [illegible] چھوڑ [illegible] سے عورت کا درجہ سماجی [illegible] حقوق و وراثت [illegible] ان کو محروم کر دیا۔ چنانچہ ہندوستان میں جدھر نگاہ اٹھا کر دیکھیے اور جن کے متعلق معلوم کیجیے یہی نظر آتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ بڑے ممتاز خاندانوں میں کیا اور چھوٹوں میں کیا عورتیں اپنے والدین اور اپنے شوہروں کی وراثتوں سے محروم ہیں۔ انھوں نے ہندو قوانین و رواجات کو اپنے لیے قانونِ وراثت و املاک بنا لیا ہے۔

یہی کیفیت دوسرے مسلمانوں میں بھی ہے مگر کم۔ چونکہ اس وقت ہمارے مخاطب افغان ہیں ہم نے اس کیفیت کو ان کے ماحول۔ ان کی تاریخ اور ذہنی حسیات کے پس منظر میں پیش کیا ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ افغانان سرحد و پنجاب اسلامی شرع حقوق کی بجائے صوبائی رواج کی پابندی کرتے ہیں جس میں عورت کا باپ کے ہاں دختر ہونے کا شرعی حق اس کو نہیں ملتا۔ اور خاوند کے ہاں بیوی کا مہر ادا کرنا ضروری نہیں خیال کیا جاتا۔ ایک صاحب نے ایک بار کہا تھا کہ شوہر کا عورت کو مہر دینا تو لازم ہے۔ مگر ان کے خاندان کی عورتیں اپنا مہر اپنے شوہروں کو خود معاف کر دیتی ہیں۔ حقوق وراثت اور مہر کی معافی کا تصور بہ نیت خیر مشکل ہے۔ جو معافی جور و ظلم میں ہو وہ مذموم ہے۔ گو وہ حریص مرد کیلئے حیلۂ خوشکن ہو۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں آ کر اپنے مذہبی اور شرعی حقوق میں اس سرزمین کے قانون و رواج سے متاثر ہو کر کس قدر غیر شرعی تبدیلی اختیار کر لی ہے۔ اور اب یہ نسلوں سے چلی آ رہی ہے۔ مگر پھر بھی اس معصیت کی تاریکی میں چند گھرانے اور خاندان ایسے ہیں جو بہ توفیقِ ایزدی شرعی حقوق کی پابندی کرتے ہیں۔ اور چند اصحاب اپنے اپنے طور سے گمراہوں کی اصلاح کی سعی کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ چند سال ہوئے کہ مرکزی اسمبلی میں مسلمان شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء جناب محمد احمد صاحب ایڈووکیٹ کی مسلسل مساعی کے بعد پاس ہوا۔ جو اب ملک کے مسلمانوں کا قانون ہے۔ مگر ہمیں معلوم ہے کہ کثیر التعداد مسلمان اس سے لاعلم ہیں۔ اس کا اجمالی ذکر ہم دوسری اشاعت میں کریں گے۔ (باقی دارد)

ایک شعر

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی

(علامہ اقبالؒ)

غلام قادر خاں روہیلہ

سلطنتِ مُغلیہ کا آخری محافظ

صفحاتِ تاریخ میں ہزاروں ہستیاں ایسی ہیں جن کو قلمِ دشمن نے ایسا قعرِ مذلت میں گرا دیا کہ نسلوں تک کوئی نفسِ واحد اُن کا نام لیوا باقی نہ رہا۔ ضحاک کو فردوسی کے نسلی تعصب نے بدنامی کے غار میں پھینک دیا۔ راون کے بعض اخلاقی مکارم کو (بقول مشہور ہندو مؤرخ مازمدار) سب سے پہلے ہنومان جی نے پھر رشی بالمیک نے ایسا مردود و مطرود قرار دیا کہ شاید ابھی کئی صدیوں تک اس کی بریت ممکن نہیں۔ ان ہزاروں ہستیوں میں سے ایک جری شخصیت غلام قادر خاں روہیلہ کی ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اپنی ایک نظم میں اس مظلوم وغیور افغان کے مبینہ مظالم کے سلسلے میں کچھ اشک شوئی کی ہے۔ اور اس کے کردار سے یہ سبق دیا ہے کہ تیمور کے خاندان سے شجاعت وغیرت رخصت ہو چکی تھی۔ تاریخی طور پر اگرچہ یہ بیان کافی نہ تھا مگر مغتنم ضرور تھا۔ مخدومم و مکرمم سید الطاف علی صاحب بریلوی نے خان مرحوم کی بریت کے بارے میں جو محققانہ مضمون انگریزی اخبار "ڈان" میں سپردِ قلم فرمایا ہے وہ نہ صرف ایک کامیاب تاریخی تحقیق ہے بلکہ خان مغفور کی روح کیلئے بڑی حد تک سامانِ تسکین ہے۔ ادارہ افغان سید صاحب ممدوح کی خدمت میں ان کے کامیاب مقالہ پر ہدیہ مبارکباد عرض کرتا ہے۔ اور مُستدعی ہے کہ اپنی علمی کاوشوں سے مجلہ افغان کو براہ راست مرہونِ احسان فرمائیں۔ سید صاحب ممدوح کے متذکرہ مضمون کا اُردو ترجمہ اُن کی اجازت سے صفحاتِ افغان کی زینت کیا جاتا ہے۔

"ادارہ"

غلام قادر جس نے دہلی کو تاراج کیا۔ شہنشاہ شاہ عالم کو اندھا کیا اور شاہی خاندان کے افراد پر ۱۷۸۸ء میں ناقابلِ بیان ستم ڈھائے اور مظالم توڑے اس کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگایا گیا ہے کہ وہ تاریخ ہند کی ابتدا سے آج تک کا بدترین مجرم تھا۔ اس کی صفائی کیلئے کسی نے نہ ایک لفظ مُنہ سے ادا کیا اور نہ قلم سے لکھا۔ اُس کا جُرم یہ تھا کہ اس نے سلطنت مغلیہ کے وقار کو اس درجہ برباد کیا کہ جس کی تلافی ناممکن ہے۔ اس المناک واقعہ سے پہلے دہلی کے شاہی خاندان کا رعایا کی تمام طبیعتوں پر وہ دبدبہ تھا کہ اس گھرانے کے زوال، فلاکت اور شکست کے باوجود کسی بدتمیز سے بدتمیز دہقانی اور خونخوار ترین قزاق کی یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ وہ کسی مغل شہزادہ کو کڑوے تیوروں سے دیکھ سکے یا اپنے کسی عمل سے اس کی اہانت کر سکے۔

غلام قادر نے اس گھناؤنے جرم کا اقدام کیوں کیا۔ اور کیوں یزیدِ ثانی بنا؟ میں اس مقالہ میں اس کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔

کیا غلام قادر دیوانہ تھا؟ نہیں یہ بات نہ تھی۔ عجیب التواریخ کا مصنف رقمطراز ہے کہ "وہ اپنے زمانہ کا حسین ترین انسان تھا"۔ وہ ایک امیر اور مہذب گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ اُسے تعلیم کے بہترین مواقع دستیاب ہوئے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ چودہ سال کی عمر میں جب وہ قلعہ دہلی میں شاہ عالم کے پاس اسیر کر کے لایا گیا تو بادشاہ اور تمام خاندانِ شاہی اس کے غیر معمولی مردانہ حسن، مہذب گفتگو اور دلکش اطوار پر عش عش کر اُٹھے۔ شاہ عالم نے اس سے خاندانِ شاہی کے افراد کی طرح سلوک کیا۔ اور ڈیوڑھی معلی کی ضروری ذمہ داری پر فائز کر دیا۔

کیا وہ ان حالات کے بعد قلب ماہیت اور اخلاقی رجعت کا شکار ہو سکتا تھا اور کیا وہ ہوا بھی۔ کیا وہ یکایک قزاقوں کے تمام رذائل کا حامل ہو گیا۔ اور کیا وہ بے وجہ مجرمانہ خستہ حالی کی گہرائیوں میں جا پڑا۔ نہیں یہ بات بھی غلط ہے۔ کیونکہ جب وہ شاہی خاندان پر پورے دو ماہ تک مظالم کے خوفناک حربے متواتر آزما چکا۔ اور لال قلعہ کا کونہ کونہ کھود کر سب طرح تاخت و تاراج کر چکا تو وہ مرہٹوں کے پریشان کن محاصرہ کی وجہ سے قلعہ سے روانہ ہوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی فوج کے سرداروں کو ان الفاظ کے ساتھ مخاطب کرتا ہے :۔

" میں نے تمہارے ساتھ کبھی ظالمانہ سلوک نہیں کیا تم میں سے جو لوگ میری ہمراہی میں لڑنا مرنا چاہتے ہیں وہ قرآن اٹھا کر وفاداری اور نمک حلالی کا حلف اٹھائیں "

تمام سرداروں نے بیک زبان جواب دیا "ہم آپ کے محترم دامن کے سوا کسی جگہ کو اپنا ملجا و ماوا نہیں سمجھتے۔ جب تک ہمارے دم میں دم ہے ہم آپ پر فدا ہونے کیلئے تیار ہیں " یہ سن کر غلام قادر خاں نے باری باری سب کو گلے لگایا۔ مجرموں کی ذہنیت یہ نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ غلام قادر روہیلہ وہ آخری قائد تھا جو روہیلکھنڈ سے اٹھ کر سلطنت دہلی کیلئے نبرد آزما ہوا۔ وہ اپنے جدِ بزرگ نجیب الدولہ کی طرح چاہتا تھا کہ ہندوستان کی اسلامی مقتدر حکومت میں نئی روح پھونک دے۔ اور اس کے سیاسی فساد اور روحانی تکدر کی فضا کو بدل کر رکھ دے۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ تاہم اس کے تمام افعال اور ان کے نتائج کی ذمہ داری خود شہنشاہ شاہ عالم پر آتی ہے۔

ہندوؤں کا عروج

یہ مسئلہ ان واقعات سے حل ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے حملہ کے بعد سلطنت دہلی کی ناؤ پتوار سے خالی تھی۔ محکوم قومیں جاٹ، سکھ اور مرہٹے سر اٹھانے لگے مرہٹوں نے خاص عروج حاصل کر لیا۔ اور قریب قریب تمام شمالی ہند پر ان کا سکہ چلنے لگا۔ ہندوستان میں حکومت مغلیہ چند روز کی مہمان معلوم ہوتی تھی۔ کچھ مردانِ خدا پردۂ غیب سے ظہور میں آئے کہ اس انتشاری طوفان کو ختم کریں۔ غلام قادر خاں کے جدِ امجد نواب نجیب الدولہ ان جری مجاہدوں میں سے تھے جنھوں نے سلطنت کو کم از کم تھوڑے عرصے کیلئے مٹنے سے بچایا پیش پیش تھے۔ نجیب الدولہ نے اپنی زندگی معمولی سپاہی کی حیثیت سے شروع کی۔ اور اپنی جانفشانی اور قابلیت کے بل بوتے پر سلطنت کے وزیر اعظم کے شاندار عہدہ پر مامور ہوئے۔ آپ مجددِ وقت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مرید تھے۔ چنانچہ انہی کے ارشاد پر اپنے روہیلہ قبیلے کو منظم کیا۔ اور احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ مرہٹوں اور افغانوں کی طاقت کا عظیم الشان مقابلہ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے مقام پر ہوا۔ اس مقابلہ میں مرہٹوں کے قدم ہمیشہ کیلئے اکھڑ گئے۔ اور مغلیہ سلطنت پران کا بڑھتا ہوا اقتدار یکایک ختم ہو گیا۔ نجیب الدولہ پانی پت کے مقام پر شاندار خدمات کی بنا پر بخشی الممالک کے عہدے پر فائز ہوئے اور بادشاہ کے محافظ و نائب خاص مقرر ہوئے۔ سب تاریخ دانوں کے نزدیک یہ امر مسلمہ ہے کہ نجیب الدولہ نے اپنے آپ کو اس جلیل القدر عہدہ کا اہل ہو کر دکھایا۔ آپ نظام الملک آصف جاہ کے بعد اپنے زمانہ کے بہترین سیاست داں اور امیر افواج ثابت ہوئے۔ آپ اپنے مناصب میں پورے طور پر کامیاب رہے۔ اور ۳۱۔ دسمبر ۱۷۷۰ء جو آپ کی وفات حسرت آیات کا دن تھا ہندوستان میں حکومت دہلی کی طاقت اور اقتدار ہر مسلم یا غیر مسلم طاقت کی نگاہ میں مسلمہ طور پر برقرار تھی۔

ان اہم اور پُر از واقعات ایام میں جب سلطنت کی حیات و ممات کیلئے نبرد آزمائی ہو رہی تھی۔ شاہ عالم بادشاہ میدان عمل سے اعماز کر رہے تھے۔ یہیں پر بس نہ تھی بلکہ مشرقی ممالک میں سیر و شکار کے دوران میں آپ آبائی سلطنت کے زرخیز ترین صوبوں میں غیر ملکی سلطنتوں کے شکاریوں سے بازیاں لگا رہے تھے۔ جنھوں نے آخر مغلوں، پٹھانوں، مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں سب پر ہاتھ صاف کر دیا۔

سلطنت دہلی کے بہادر دیانتدار اور مخلص محافظ نجیب الدولہ کی موت شاہ عالم کیلئے سنہری مواقع چھوڑ گئی۔ اب وہ اپنی آبائی سلطنت کے بچے کھچے نصف حصے کو بھی ایسے شخص کے ہاتھوں بیچ ڈالنے کے لئے آزاد تھا جو زیادہ سے زیادہ رقم لگانے کیلئے تیار ہو۔ اس مرتبہ اس نے اپنے محسنوں کو ذلیل کرنے کیلئے مرہٹوں سے شرائط طے کریں۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ یہ وہی مرہٹے ہیں جن کو (صرف) دس سال پہلے پسپا کرنے کیلئے ہندوستان کی

لیکر افغانستان تک کے تمام مسلمانوں نے جان کی بازی لگائی تھی۔

۱۷۷۱ء میں شاہ عالم نے مہاداجی سندھیا کو جو ہندوستان میں مرہٹوں کا نمائندہ تھا اس غرض کیلئے دعوت دی کہ وہ الہ آباد سے دہلی تک بادشاہ کی مشایعت کرے۔ کیونکہ دہلی میں نجیب الدولہ کا بڑا لڑکا ضابطہ خاں قبضہ جمائے پڑا ہے۔ اصل میں اس روہیلے سردار کے فوجی دستے اس وقت دہلی میں محافظت پر متعین تھے اور بادشاہ کی ماں اور ولی عہد کی حفاظت کر رہے تھے۔

شاہ عالم نے مہاراجی سے خفیہ معاہدہ کیا۔ اور اسی وجہ سے مرہٹوں نے بے باک ہو کر دہلی پر چاروں طرف سے گولہ باری کی۔ ضابطہ خاں کے وکیل سے لال قلعہ چھین لیا اور بادشاہ کے نام سے اس پر قابض ہو گئے۔

جب بادشاہ دہلی کو آ رہا تھا تو راستے میں فرخ آباد کے نزدیک حکم دیا گیا کہ احمد خاں بنگش کے بڑے لڑکے کی تمام جائداد ضبط کر لی جائے۔ احمد خاں بنگش بھی ایک بہادر روہیلہ سردار تھا۔ جو پانی پت کی لڑائی میں نجیب الدولہ کا حلیف تھا۔

نواب بنگش کے بخشی فخر الدولہ نے اس حکم کا جواب دیا کہ روہیلوں کی زبردست فوج جمع کر لی۔ تاہم جنگ ہونے سے بچ گئی۔ اور بادشاہ اپنے مرہٹہ بد رقہ کے زور پر چھ لاکھ روپیہ لیکر مطمئن ہو گیا۔

فیصلہ کُن جنگ

۱۷۷۲ء میں بادشاہ کے دہلی پہنچتے ہی اس کے نئے محافظ روہیلکھنڈ پر چڑھ دوڑنے کی اجازت مانگنے لگے۔ بادشاہ حملہ کرنے کیلئے کسی بہانے کی جستجو میں تھا۔ چنانچہ اس نے ضابطہ خاں کو لکھا کہ وہ اپنے والد ماجد کی جائداد اور عہدے پر فائز ہونے کیلئے حسب معمول نذرانہ پیش کرے۔ اور شاہی زمینوں کے محصول کی حساب فہمی کرائے۔ جو اتنے زمانے تک نجیب الدولہ کے پاس رہی ہیں۔ ضابطہ خاں کو اپنے والد کی خدمات اور اس کے سلسلہ میں اس تہتک آمیز فرمان نے مکدر کر دیا۔ اور اس کا افغانی خون جوش زن ہو گیا۔ اُس نے شاہی قاصدوں کو بڑی سرکشی سے جواب دیکر واپس لوٹا دیا۔ اس پر کچھ شاہی دستے ضابطہ خاں کی جاگیر میں گھس گئے۔ ان دستوں کا سردار نجف خاں ایرانی تھا جو اَب نیا نائب شاہی اور امیر افواج تھا۔ مرہٹوں کی فوج تکوجی ہلکر، مہاداجی سندھیا اور ویساجی کرشنا کی سرکردگی میں تھی۔ شاہ عالم دہلی سے اس وقت سے گیارہ دن بعد روانہ ہوا جب ضابطہ خاں اپنے کنبے اور خزانہ کو پتھر گڑھ کو سنگین قلعہ میں محفوظ کر چکا تھا۔ جو نجیب آباد ضلع بجنور میں ہے۔ اب ضابطہ خاں ایک لاکھ پٹھانوں کی جمیعت سے جنھوں نے جنگ کی قسم کھا رکھی تھی گنگا کے مشرقی کنارے پر فروکش ہوا روہیلے پچھلے بیس سال سے سلطنت مغلیہ کیلئے سربکف رہتے چلے آئے تھے۔ اب یہ پہلا موقع تھا کہ انھیں اپنی حفاظت کیلئے تلواریں سونتنا پڑیں۔ ۲۳۔ فروری ۱۷۷۲ء کو ایک فیصلہ کُن جنگ لڑی گئی۔ روہیلہ فوج کا مقابلہ ایک کثیر التعداد فوج سے تھا۔ اور کچھ وہ اپنی جنگی چال میں گھر گئے، اور شکست فاش کھا گئے۔ ہزاروں شہید ہو گئے، ان کے سرداروں کے سر کاٹ کر بادشاہ کو بھیجے گئے۔ بادشاہ کے دورِ حکومت میں یہ پہلی فتح تھی۔ اس "شاندار" فتح پر بڑے شادیانے ہوئے۔ ضابطہ خاں نے لڑائی کا رنگ دیکھکر شمالی پہاڑیوں میں پناہ لی۔

اب شاہی فوج نے پتھر گڈھ کا رُخ کیا۔ جہاں افغان سرداروں کے حرم اور بچے پناہ گزین تھے۔ قلعدار نے اس شرط پر ہتیار ڈالنے کا وعدہ کیا کہ افغان مخدرات کی جانوں اور عصمتوں کی حفاظت کا وعدہ کیا جائے۔ تمام شرائط ۱۶۔ مارچ ۱۷۷۲ء کو طے ہوئیں۔ اور پتھر گڈھ خالی کر دیا لیکن شاہی وعدہ پورا نہ ہوا۔ مرہٹے قلعہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ سب سے پہلے غریب آبادی کو باہر نکالا گیا۔ ان کی تلاشی ہوئی اور کپڑے چھینے گئے۔ اور قریب قریب برہنہ چھوڑ دیئے گئے۔ بہت سے افغان کنبے مرہٹوں کے مظالم اٹھا کر شاہی فرودگاہ میں پہنچے۔ لیکن لشکری لٹیروں اور نورانی مغلوں نے بدن کے وہ کپڑے بھی نہ چھوڑے جو مرہٹوں کے ہاتھوں سے بچ رہے تھے۔ پھر یہ لوگ اکثر مستورات کو گھسیٹ کر اپنے اپنے خیموں میں لے گئے۔

مرہٹی انتقام

یہی وہ ناقابل بیان ستم تھے جنھیں غلام قادر خاں اُن لوگوں کو یاد دلاتا تھا جو اُس سے قلعہ دہلی میں شاہی حرم پر رحم کرنے کی درخواست کرتے تھے۔ وہ کہا کرتا تھا "تمھیں یاد

نہیں کہ بادشاہ کے ملازموں نے خود ہماری خواتین سے کیا سلوک کئے تھے۔ مجھے اس وقت تسکین حاصل ہوگی جب میں اپنے روہیلوں کو حکم دوں گا کہ وہ شہزادیوں کو گھسیٹ کر لے جائیں اور انھیں بغیر نکاح کے گھر میں ڈال لیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے بطن سے زیادہ مردانہ نسل پیدا ہو۔"[1]

پتھر گڑھ کو خالی کرا کے مرہٹوں نے نجیب الدولہ کی قبر کی صنعت کاری کو برباد کیا۔ اور اس پر مرہٹی زبان میں یہ کتبہ لگوایا جس پر تحریر تھا کہ انھوں نے پانی پت کا انتقام لے لیا۔

مرہٹوں نے ضابطہ خاں کے توپخانہ اور خزانوں پر قبضہ کر لیا۔ اور ان کے ذاتی ہاتھیوں، گھوڑوں اور دوسری تمام جائداد کو ہتیا لیا۔ مرہٹہ سرداروں نے لاکھوں روپیہ کی لوٹ آپس میں ہضم کر لی۔ اور پیشوا اور بادشاہ کو اس کا پتہ تک نہ چلنے دیا۔ اس کے علاوہ جو کچھ تھا اس کا چوتھا حصہ سرکاری طور پر حکومت مرہٹہ کو ملا۔ اور اس حصہ میں بھی ان کو دس لاکھ روپیہ اور ۲۲۹۸ گھوڑے ملے۔

لیکن نواب نجیب الدولہ کے خلاف انتقام کے جذبات اتنے شدید تھے کہ تمام روہیلہ قوم کو اس کا نشانہ بنایا گیا۔ روہیلکھنڈ پر جہاں حافظ رحمت خاں کی جاگیر تھی حملہ کیا گیا۔ حالانکہ اس فرشتہ سیرت فرمانروا نے تخت شاہی کے خلاف انگلی بھی نہ اٹھائی تھی۔ آخر چالیس لاکھ روپیہ تاوان جنگ کا مطالبہ کیا گیا اور اودھ کے شجاع الدولہ ضامن ہوئے۔ اور یہی ضمانت ۱۷۷۴ء میں روہیلوں کی تباہ کن جنگ کا باعث ہوئی۔

شاہی فوج نے واپسی پر روہیلکھنڈ کے اکثر شہروں کو جن میں سے آنولہ۔ بریلی۔ رامپور اور امروہہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں نذر آتش کر دیا۔ اور جی کھول کر تاراج کیا۔ یہ سارے کا سارا ملک کھنڈر بنا دیا گیا۔ ضابطہ خاں کے کنبے کے تمام ذکور و اناث غلام قادر سمیت مرہٹوں کی قید میں رہے۔ اور انتہائی سفاکیوں کے بعد شجاع الدولہ کی سفارش سے رہا ہوئے۔ اس موقع پر شجاع الدولہ نے مہاراجی سندھیا کو جو خط لکھا تھا اس کی عبارت یہ تھی :۔

مراسلہ بنام سندھیا

دشمن کا کنبہ اپنے کنبہ سے زیادہ محترم ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص جارحانہ اقدام کرتا ہے اور اس کا انتقام لیا جاتا ہے تو اس انتقام کا غصہ اس کے کنبے اور قبیلے پر اتارا نہیں جاتا۔ تمہیں ضابطہ خاں سے اذیت پہونچی اس کے حرم اور بچوں کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ اگر تمہیں یہ گمان ہے کہ ضابطہ خاں کے بچوں اور کنبے کو حراست میں لیکر تم اُسے اتنا مجبور کر سکو گے کہ وہ خود تمہاری حراست میں آجائیگا۔ تو یہ بات غلط ہے۔ پھر وہ کونسی مفید مطلب بات ہے جس کیلئے تم نے اس کے کنبے کو محبوس کر رکھا ہے۔ میرے خیال میں مناسب بات یہ ہے کہ دکن کے فرمانرواؤں کی شریفانہ روایات کو مدنظر افغان سرداروں کے حرم اور اولاد کو ذلیل نہ کیا جائے۔ آپ ضابطہ خاں کے پسماندہ کنبے کو میرے پاس بھیجدیں۔ اگر نواب نجیب الدولہ خاں مرحوم تمہارے بھائی بندوں کا شدید دشمن تھا اور اس نے اُن سے بدسلوکیاں کی تھیں پھر بھی اس بات کو بھولنا نہ چاہئے کہ اگرچہ دشمن کو اس کی بداعمالیوں کی سزا دینا آسان ہے لیکن شرفا یہ طریقہ استعمال نہیں کرتے۔

روہیلوں کی جنگ میں جو ۱۷۷۴ء کو ہوئی اور جس میں حافظ رحمت خاں شہید ہوئے شجاع الدولہ نے انگریزی توپوں کی مدد اور بادشاہ کی اجازت سے تمام روہیلکھنڈ پر قبضہ کر لیا۔ ضابطہ خاں نے انتہائی نادانی سے اس کا ساتھ دیا۔

لیکن جنگ کے بعد ضابطہ خاں کی باقیماندہ جاگیر پر بھی نجف خاں نے بڑی مکاری سے ہاتھ صاف کیا۔ سید نجف خاں وہی ایرانی سردار تھا جو ان دنوں بادشاہ کا نائب، محافظ اور امیر افواج تھا۔ اب ضابطہ خاں بے یار و مددگار تھا اُسے اس کی ہر ایک چیز سے محروم کر دیا گیا۔

آخر اسے اسیر کر کے حرم سمیت دہلی لایا گیا۔ اب نجف خاں نے اپنے خود مختار مرتبہ سے غلط فائدہ اٹھانے کی ٹھانی اور ضابطہ خاں سے اس کی لڑکی کا رشتہ خود اپنے لئے طلب کیا۔ اور اس رشتے کے عوض اُسے سہارنپور کی جاگیر واگذار کر دی۔ کہتے ہیں کہ وہ اس تجویز کو مان گیا۔ لیکن مصنف نجیب التواریخ نے لکھا ہے کہ ضابطے خاں کی اولاد اور نجیب آباد کے دوسرے شرفا کا بیان ہے کہ انھوں نے خود اپنے اجداد سے یہ سنا ہے کہ صرف منگنی ہوئی

---

[1] سبحان اللہ کیا شانِ انتقام تھی ۔ (اڈیٹر)

تھی اور نکاح نہ ہونے پایا تھا۔ تمام مغرور افغان اور نجیب خاں کے کنبے کے دوسرے اراکین نے اس ذلت کے خلاف آواز اٹھائی اور ضابطہ خاں کے بیٹے غلام قادر کے کہنے سے ماں نے اپنی بیٹی کو زہر سے ہلاک کر دیا۔

تخت دہلی کی جابرانہ قرباں گاہ پر ضابطہ خاں کی صاحبزادی کی المناک قربانی کا ثبوت غلام قادر کے اُس خط سے بھی ملتا ہے جو اس نے جنوری ۱۷۷۲ء میں اپنے والد کی خدمت میں لکھا تھا اس نے تحریر کیا ہے کہ :۔

"اس باپ کے دورانِ عمر میں ہم اپنی جدی جاگیر سے محروم کئے گئے۔ اور ہم سے امیر الامرا کا عہدہ چھینا گیا۔ ملحدوں کے ساتھ پیکار کرنے میں ہماری عورتیں اور بچے مرہٹوں کی بدنام حراست میں رہے۔ ہمارا گھر تاراج کیا گیا۔ آخر اس نے میری بہن کو ایک . . . سے منسوب کر دیا جس کی وجہ سے ہمیں اس کو زہر دینا پڑی۔ بہتر ہو کہ تم اس مجرم باپ کو زہر کھلا کر ختم کر دو۔ اور اگر تم ایسا نہ کرو گی تو میں تم دونوں کو ہلاک کر دوں گا۔"

۲۸۔ اپریل ۱۷۷۲ء کو ضابطہ خاں کی آخری پناہگاہ قلعہ غوث گڈھ ضلع سہارنپور پر شاہ عالم بادشاہ نے مرہٹی اور مغل فوج کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ حملہ کیا۔ اس قلعہ میں ضابطہ خاں کا آخری اثاثہ اس کے حرم اور اولاد تھی۔ ایک خونریز جنگ کے بعد غوث گڈھ فتح ہوا اور ضابطہ خاں اپنی جان بچا کر سکھوں کے علاقہ کی طرف فرار کر گیا۔ غلام قادر اور اس کے چچا سلطان خاں کا بیٹا میدانِ جنگ میں اسیر ہوئے۔ غوث گڈھ کی آبادی کے قتل عام اور غلام قادر کا سر قلم کرنے کا شاہی حکم نافذ ہوا۔ لیکن منظور علی خاں نے جو شاہی حرم سرا کا افسر تھا آڑے آیا اور اُسے خود اپنا لبادہ پہنا دیا۔

لال قلعہ

غوث گڈھ کی تمام زمین ضبط ہوئی۔ سب سے بدتر یہ ہوا کہ ضابطہ خاں کا تمام کنبہ، روہیلے سرداروں اور فوجی افسروں کے حرم تمام کے تمام گرفتار ہوئے۔ قلماقنیوں نے روہیلوں کی مخدرات کی جامہ تلاشیاں لیں اور یہ تمام اسیر مستورات سمیت قلعہ آگرہ میں بھیج دیئے گئے۔ صرف غلام قادر لال قلعہ میں رہ گیا۔ کیونکہ بادشاہ اس سے پہلے سے مانوس تھا۔ اس لئے اس کے ذمے خدمت خاص کے فرائض سپرد کئے۔ غلام قادر اب اٹھارہ سال کا جوان ہو چکا تھا اور مردانہ حسن کی تمام صفات کا حامل تھا۔ بادشاہ نے اس دوسرے عارضی قیام کے دوران میں غلام قادر کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا اور خیال کیا کہ وہ شاہی حرم کی مستورات کیلئے جاذبِ توجہ بن رہا ہے۔ اس لئے اس نے کسی امکانی رسوائی کے خیال سے ایک دن غلام قادر کو کوئی نشہ آور چیز پلوا دی۔ اور جب وہ بیہوش ہو گیا تو اُسے مردانہ اعضا سے محروم کر دیا گیا۔[1]

اُف دہلی کی بادشاہت قساوتِ قلبی کی کن گہرائیوں میں پہنچ چکی تھی۔

۔۔ اپریل ۱۷۷۲ء کو غلام قادر کو بارگاہ شاہی سے روانگی کی اجازت مل گئی۔ اس کے باپ (ضابطہ خاں) سے بھی صلح ہو چکی تھی۔ اس صلح کی وجہ یہ تھی کہ شاہی حکومت جاٹوں اور راجپوتوں کے ساتھ مقابلہ میں الجھی ہوئی تھی۔ سکھ دوآبہ بالا پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ ضابطہ خاں کو سہارنپور میں اس کے ہفت محل دیدیئے گئے اور غوث گڈھ کا قلعہ واپس کر دیا گیا۔ تاکہ وہ ایک حفاظتی ریاست قائم کر سکے۔

قلعہ غوث گڑھ ضابطہ خاں کی وہ آرامگاہ تھی جہاں اس نے اپنی زندگی کے آخری دن گذارے۔ اب وہ آلام زندگی سے چُور ہو چکا تھا۔ یہ قلعہ ہی وہ جگہ تھی جہاں سے اس کا بیٹا غلام قادر ہندوستان کے سیاسی تماشہ گاہ میں ایک شیطانی ناچ دکھانے اٹھا۔

شاہ عالم کے دہلی لوٹنے اور تخت نشین ہونے کے بعد چھ ہی سال کے عرصہ میں روہیلوں کے وہ بہادر لشکر جنھوں نے دہلی اور اس کے نواح میں ایک حصارِ قیمت کھینچ رکھا تھا خاک میں ملا دیئے گئے۔ ایک جنگجو قوم کی طاقتور نوآبادیاں جن کا سنگ بنیاد محمد خاں بنگش۔ علی محمد خاں۔ دوندے خاں۔ حافظ رحمت خاں اور نجیب الدولہ نے رکھا تھا نقشۂ ہند سے مٹا دی گئیں۔ اب ملک میں کوئی ایسی طاقت باقی نہ رہی تھی جو کسی مشترکہ اسلامی انقلاب میں شامل ہونیکی اہلیت رکھتی ہو۔ اور مرہٹوں کی اس طاقت کے احیا کے مقابل کھڑی ہو سکتی جو ۱۷۶۱ء میں پانی پت

---

[1] ظالموں کو ۔ (ایڈیٹر)

…غام پر بر باد کی جا چکی تھی۔

یکم دسمبر ۱۷۸۴ء کو بادشاہ نے دربارِ عام میں پیشوا کو اپنا نائب اور امیر الامرا ج بنایا۔ اور ۳ دسمبر کو ایک اور دربار میں مہاداجی سندھیا کو مدار المہام (وکیل مطلق) سلطنت بنا دیا۔ یہ جگہ حکام سلطنت کو اتنی شاق نہ ہی جاتی تھی کہ تیموری بادشاہوں کے طویل عرصہ حکومت میں عبرت کی مثالیں ایسی ملتی ہیں۔"

نئے ولی بادشاہ نے بادشاہ کا ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ بطور پنشن مقرر کیا۔ مہاداجی سندھیا کی اجازت کے بغیر کسی نفس واحد کو اجازت نہ تھی کہ وہ بادشاہ کے حضور حاضر ہو سکے۔ اور ممالکت ہندمیں ایک انچ جگہ ایسی نہ تھی جسے وہ اپنی ملکیت کہ سکے۔ اکبر اور عالمگیر کی میراث کو ایک تاجدار ساۓ کی پناہ میں مرہٹوں کا اقتدار آنکھیں دکھا رہا تھا۔

مختلف مہمات

اگرچہ مہاداجی سندھیا بادشاہ کا آمرِ مطلق تھا لیکن کمزور بادشاہ ایک لحاظ سے خود اپنا مالک تھا۔ اس نے کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ اس کی ذاتی دولت کو چھو سکے۔ اس لئے مہاراجی کو اپنی حیثیت برقرار رکھنے کیلئے روپیہ حاصل کرنا پڑا۔ روپیہ کے حصول کیلئے اُسے مہمات سر کرنا پڑیں۔ اور کئی لڑائیاں لڑنا پڑیں۔ لیکن ان میں سے کسی میں بھی اُسے خاطر خواہ رقم نہ ملی۔ اس کی ایک مہم راجہ جے پور کے خلاف تھی۔ راجپوت بڑی بہادری سے لڑے۔ اور مہاداجی کو اگست ۱۷۸۷ء میں میدانِ جنگ سے لعل کوٹ کے مقام پر پسپا ہونا پڑا۔ اس زمانہ میں جبکہ ہندوستان میں فوجی راج تھا مہاداجی کی ناطاقتی کے سرِعام مظاہرے نے اس کے ہمچشموں اور مخالفوں کی نگاہ میں بے حیثیت کر دیا۔ غلام قادر خاں نے سب سے پہلے یلغار کی۔ ضابطہ خاں کی وفات کے بعد ۲۱ جنوری ۱۷۸۵ء کو غلام قادر سہارنپور کی جاگیر پر متمکن ہو چکا تھا۔ اور امن و عافیت سے اپنے پدری ورثہ پر ڈھائی سال تک متمکن رہا۔ ممکن ہے وہ بھی اپنے ورثہ کو ریاستہائے رامپور و ٹونک و بھوپال کی طرح اپنی پسماندگی کیلئے چھوڑ جاتا۔ لیکن واقعات کی رو نے اسے مجبور کر دیا۔— نجیب الدولہ کی اولاد میں ایک چپہ زمین کو بھی برداشت نہ کیا گیا۔ جے پور کی لڑائی سے پہلے غلام قادر کے خلاف ایک حملہ کی تیاری کی گئی تھی جو ادھوری رہ گئی۔ اس حملہ کا مقصد یہ تھا کہ سہارنپور کی زرخیز زمین پر قبضہ کیا جائے۔

اب جب غلام قادر نے مہاداجی کی طاقت کو جے پور میں گہناتے دیکھا تو وہ گوشہ نشینی ترک کر کے بجلی کی طرح حملہ آور ہوا۔ اس نے سہارنپور کے روہیلوں کا لشکر اکٹھا کیا اور اپنے دادا نجیب الدولہ کے نقشِ قدم پر ہم مذہب ہندوستانیوں کے تحفظ کا فیصلہ کر لیا۔ اور یہ ٹھان لی کہ سلطنت مغلیہ کو مرہٹوں کے اقتدار سے نجات دلائیگا۔

اس کا پہلا اقدام یہ تھا کہ اس نے دارالسلطنت کو قبضے میں کیا۔ دہلی میں ۵ ستمبر ۱۷۸۷ء کو داخل ہوا۔ غلام قادر آندھی کی تیزی اور تندی کے ساتھ آیا۔ مہاداجی کے نمائندے بزدلی سے میدان خالی کر گئے۔ ان باتوں نے بادشاہ کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ اُس نے غلام قادر کو دربار میں بلایا۔ اور بخشی الممالک کا عہدہ تفویض کر دیا۔ امیر الامراء روشن الدولہ بہادر کے خطابات دیکر خلعتِ فاخرہ سے سرفراز کیا۔ اور شاہی تحائف نذر کئے۔ بادشاہ نے اس کے منصب اور عہدے کے مناسب جاگیر کا فرمان جاری کیا۔ اور اُسے ممالک محروسہ کا ولی مقرر کر دیا۔

دارالسلطنت میں ایسی نمایاں فتح حاصل کر کے غلام قادر دہلی سے روانہ ہوا۔ اور بادشاہ کی خوشنودی اور شاہی پروانہ کے بل بوتے پر وکیل سلطنت اور امیر الامرا کے اختیارات سے اس نے دوآب وغیرہ کے وہ علاقے لے لئے جو اُسے جاگیر کے طور پر ملے تھے۔ اور اب معزول شدہ وکیل سلطنت مہاداجی کے قبضے سے ممالک محروسہ کو چھڑانے چلا۔ اس موقع پر بھی کامرانی نے اس کے قدم چومے۔ ۱۲ ستمبر ۱۷۸۷ء سے جبکہ اس نے دہلی سے روانہ ہو کر دوآب میں قدم رکھا یکم جولائی ۱۷۸۸ء تک جب وہ واپس لوٹا کل دس ماہ کے عرصہ میں اس نے دوآب، خورجہ، علی گڈھ، فیروز آباد اور آگرہ تک کے اہم مقامات قلعہ کھمبر (جو جاٹوں کے علاقہ میں ہے) وغیرہ سب قبضے میں کر لئے۔ مرہٹوں نے ہر ایک میدان میں بُری طرح ہزیمت کھائی۔ غلام قادر خاں اور اس کے حلیف اسمٰعیل بیگ نے آگرہ میں مردانگی کے وہ جوہر دکھلائے کہ اُن کے حملہ سے مہاداجی نے مجبور ہو کر گوالیار کا رُخ کیا۔ سرزمینِ ہندوستان پر اس کے…

اقتدار کا کوئی نشان نہ رہا۔ مرہٹوں کے ایک ایلچی نے پونہ کو یہ عبارت لکھ کر بھیجی:۔

"جاٹ راجہ اور سندھیا کی فوجیں غلام قادر اور اسمٰعیل بیگ ہمدانی کے لشکر سے آٹھ آٹھ دس دس کوس کے فاصلہ پر منڈلا رہی ہیں ان دونوں پٹھانوں کا منہ جس طرف ہو جاتا ہے ہمارے آدمیوں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتے ہیں۔ اُن کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ وہ پٹھانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

شکست کی وجہ

غلام قادر اور اسمٰعیل بیگ کے متحدہ لشکر میں ۱۲ ہزار سوار پچیس ہزار پیدل اور سو توپیں تھیں لیکن فاتح سپہ سالاروں کو اس فوج کے رکھ رکھاؤ میں بڑی دقتیں درپیش تھیں۔ انھیں تخت دہلی سے کوئی کمک نہ پہونچ رہی تھی۔ بلکہ اس کے خلاف بادشاہ جس کی زندگی کا اصل اصول لے دیکر یہ رہ گیا تھا کہ وہ اپنے وکیلوں سے وظیفہ کی بندھی رقمیں وصول کرلے، غلام قادر پر اظہار غضب کرنے لگا کیونکہ اس نے اور اس کے حلیف نے بادشاہ کو وظیفہ کی اس رقم سے محروم کر دیا تھا جو مہاراجی سندھیا کی طرف سے متواتر چلی آرہی تھی۔ آخر روپے پیسے کے مخطاور دوسری اندرونی وجوہ نے دونوں پٹھانوں کی کمر ہمت کو توڑ کر رکھ دیا۔ کچھ غیر متوقع حالات مہاراجی کا ساتھ دینے لگے۔ اور مرہٹوں اور جاٹوں کی مشترک فوجوں نے دیگ اور آگرہ کے مقام میں غلام قادر اور اسمٰعیل بیگ کو دو فاش شکستیں دیں۔

چنانچہ دونوں پٹھان دہلی کی طرف واپس لوٹے تاکہ وہاں سے کمک حاصل کریں اور اپنے بادشاہ سے مدد لیں لیکن شاہ عالم فطری طور پر بے اصول انسان تھا۔ اور ہمیشہ زبردست کا ساتھ دیتا تھا۔ اس نے یکایک مہاراجی سے گفت و شنید شروع کر دی اور ۲۴۔ جون ۱۷۸۸ء کو امداد و محافظت کی مضطربانہ درخواست کی۔ مہاراجی نے امید افزا جواب دیا۔ اب غلام قادر اور اسمٰعیل بیگ دہلی پہونچے تو انھیں دہلی کے دروازے بند ملے۔ شاہی سپاہ نے ان کا مقابلہ کیا۔ غلام قادر نے ناشکر گذار بادشاہ کی سپاہ کو تتر بتر کر دیا۔ اور ۱۸ جولائی ۱۷۸۸ء کو معمولی دقت کے بعد شہر اور لال قلعہ میں داخل ہو گیا۔ باوجود اس کے کہ بادشاہ کا رویہ غیر ہمدردانہ اور غیر مہذبانہ تھا تاہم غلام قادر نے اپنے جذبات پر پورا پورا قابو رکھا۔ اور جب غلام قادر اور اسمٰعیل بیگ بادشاہ کے سامنے آئے تو وہ آداب و کورنش بجالاتے ہوئے اس کے قدموں میں جا پڑے۔ اور قلعہ میں بلا اجازت داخل ہونے کی معافی طلب کی۔ شاہ عالم نے انتہائی منافقانہ رویے سے انھیں گلے لگایا اور کہا:۔

"میرے نزدیک تم دونوں میری اولاد کے برابر ہو۔ اور تمہاری خواہشیں مجھے بہت زیادہ عزیز ہیں۔"

غلام قادر نے کہا "جہاں پناہ جو ہو چکا اسے معاف اور فراموش فرمائیں۔ اور یہ ایسا وقت ہے کہ جہاں پناہ تخت کے نمک حلال خادموں کی مدد فرمائیں۔ خدا کی مدد اور جہاں پناہ کی خوشنودئ مزاج شامل حال رہی تو میں جلدی ہی مرہٹوں کو ہندوستان سے باہر نکال دوں گا۔ تاکہ اسلامی ترقی میں ایک نئی روح آجائے اور جہاں پناہ کے زیر حکومت اس میں ایک نئی زو پیدا ہو۔ عنقریب سلطنت ایسے معراج کمال پر پہنچ جائیگی جو اُسے آج تک حاصل نہیں ہوا۔"

دھلی کی فتح

باہمی اعتماد کی اس گفتگو کے بعد ملاقات ختم ہوئی۔ غلام قادر خاں نے شہر دہلی اور لال قلعہ کو اپنے قبضۂ اقتدار میں لیا۔ اور مرہٹوں کے مقابلہ کیلئے جمعیت بہم پہنچانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ کوئی دو ہفتے امن و عافیت سے گذر گئے۔ آخر ۲۹۔ جولائی ۱۷۸۸ء کو غلام قادر خاں نے بادشاہ کے حضور تیس لاکھ روپیہ عطا ہونے کی اجازت چاہی تاکہ سلطنت کے منصوبے کے مطابق جو لوٹس اور مرہٹوں کے خلاف نبرد آزما ہونے کیلئے شاہی فوج پر خرچ کیا جائے۔ مگر شاہ عالم نے تجاہل سے خود اس کی مسلم سلطنت کو یہ دن دکھائے تھے غلام قادر کو بھرے دربار میں لعنت ملامت کی۔ عام لوگوں میں اس طرح ذلیل ہو کر نوجوان پٹھان کے ہاتھ سے صبر کی باگیں چھوٹ گئیں۔ اب اس کا غیظ و غضب پورے طور پر بھڑک اُٹھا۔

ایک کہاوت مشہور ہے کہ افغان کے انتقام کی آگ بیسوں برس تک دھیمی رہ سکتی ہے۔ لیکن وہ بجھ نہیں سکتی۔ اس نے ان تمام صبر آزما مظالم کو جو اس کی تمام قوم اور کنبے اور خود اس پر توڑے گئے تھے ٹھنڈے دل سے برداشت کیا۔ لیکن اب جبکہ ہندوستان کی مسلم سلطنت خود لٹنے کو تھی ایسے وقت میں بادشاہ کی سنگدلی اور مذبذب ذہنیت نے اسے دیوانہ کر دیا۔ اس نے اب اس حقیقت کو اچھی طرح محسوس کر لیا کہ جب تک وہ ہندوستان کو خاندان شاہی سے پاک نہیں کرے گا بزدلوں، عیاشوں اور بدکاروں کو صفحۂ سلطنت سے مٹا نہیں دیگا قومی احیا ناممکن ہے۔ مرہٹوں کے مقابل جنگ جاری رکھنے کیلئے روپیہ ناگزیر چیز تھا۔ بادشاہ، شہزادوں اور شہزادیوں کے قبضے میں کروڑوں روپئے کے ڈھیر تھے۔ لیکن سلطنت کے محافظ، فوج کے سپاہی اپنی قلیل تنخواہوں کی غیر مسلسل ادائیگی کے باعث بھوکوں مر رہے تھے۔ اس لئے غلام قادر نے دل میں ٹھان لی کہ اس نے بادشاہ سے جس تیس لاکھ روپئے کا مطالبہ کیا تھا وہ اب مرکب سود سمیت وصول کر کے رہے گا۔

ان واقعات سے ۳۰۔ جون کو بادشاہ کی معزولی۔ ۱۰ اگست ۱۷۸۸ء کو اُسے اندھا کرنے غلام قادر کی "بہیمیت" صبر آزما مظالم اور شاہی حرموں کی بے حرمتی وغیرہ تاراج دہلی کے اہم واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔

تمام مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر بادشاہ ابتدا ہی میں غلام قادر کو مطلوبہ تیس لاکھ کی رقم حوالے کر دیتا تو وہ ان تمام اذیتوں سے بچ جاتا جن کا شکار وہ خود بھی ہوا اور اس کا تمام کنبہ بھی۔ لیکن بادشاہ کے نزدیک زندگی اور آبرو کے مقابلہ میں روپیہ زیادہ عزیز تھا۔ اگرچہ بادشاہ کے پاس اس عہدنامے کی رو سے جو اُس نے ۱۷۶۵ء میں کلائیو سے کیا تھا بنگال کے خراج کی خطیر رقمیں موجود تھیں۔ پتھر گڑھ اور غوث گڑھ کی لوٹ کے خزانے جمع تھے لیکن وہ ملک کے انتظام و بہبود اور فوج کے مشاہروں پر ایک کوڑی خرچ کرنا گوارا نہ کرتا تھا۔ اسے رات دن روپیہ جمع کرنے کا فکر لگا رہتا تھا۔ اور اس کیلئے کبھی وہ بڑی بُردباری سے جوڑ توڑ کرتا۔ کبھی بُزدلی سے حکمت عملی دکھاتا اور کبھی خفیہ طور پر موقع کی تاک میں رہتا۔ غرض ہر اچھے بُرے پہلو سے زرطلبی میں لگا رہتا جس زمانہ میں بادشاہ کی تجوریاں مال و زر سے لبریز ہو رہی تھیں اس وقت مرہٹوں کے مخبر نے جولائی ۱۷۸۲ء کو ایک خط لکھا۔ جس کی عبارت کا ایک حصہ یہ ہے۔

> "مرکزی حکومت میں ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی ہے۔ خزانہ عامرہ خالی پڑا ہے۔ نجف خاں کے ذاتی محافظ تک بھوکوں مر رہے ہیں۔ ان کے گھوڑے اور ہاتھی چارہ کی کمی کی وجہ سے پتلے حال میں ہیں۔"

غلام قادر خاں کو بادشاہ کی اصلی مالی حالت کا ذاتی علم تھا اس لئے اس نے ظاہری عزبت کے ڈھونگ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس نے اپنے قوی افغانی ہاتھوں سے اُس روحانی پردے کو چاک چاک کر دیا جو دہلی کے شاہی خاندان کو محترم بنا رہا تھا۔ اس نے بادشاہ کو تخت سے برطرف اور نابینا بنا لینے کے علاوہ اس نے ہفتوں تک خوراک اور پانی تک نہ دیا۔ اُس نے شہزادوں کو فاقے کرائے شہزادیوں کی بے حُرمتی کی۔ ملازموں کو اتنی سزائیں دیں کہ اُن میں سے اکثر مر گئے۔ اور مدفون خزینوں کی تلاش میں شاہی محلات اور امرائے شہر کے دیوان خانوں اور مکانوں کا چپہ چپہ کھود ڈالا۔ اس طرح اُسے ۲۵ کروڑ روپئے نقد اور قیمتی سامان ملا۔ بادشاہ نے سنگین ترین سزاؤں کے باوجود غلام قادر خاں کے مظالم کے ایام میں ایک بار بھی اپنے خفیہ خزانوں کا پتہ نہیں دیا۔

المناک تعذیب

شاہی ملازموں نے المناک تعذیب کا شکار ہو کر آہستہ آہستہ اور بتدریج کہیں کہیں خزانوں کی نشان دہی کی۔ اور متواتر کئی ہفتوں کی کوششوں کے بعد یہ زرِ خطیر جمع ہوا۔ آخر غلام قادر خاں کو ایک موقع پر کہنا پڑا کہ "یہ شاہی لوگ بڑے سنگدل ہوتے ہیں۔ فحش سے فحش گالیاں اور بدترین قسم کی بدزبانی کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ لوگ روپئے کو کن مشکلوں سے نکالتے ہیں اور وہ بھی جسمانی سزا کے بعد۔ حالانکہ یہ انھیں معلوم ہے کہ یہ روپیہ انہی کی فوج پر خرچ ہوگا"

معلوم ہوتا ہے کہ بخل اور کنجوسی کا مرض جس کا بادشاہ خود مریض تھا متعدی ہو کر تمام محلات میں پہونچ چکا تھا۔

بدستِ خلق و عالم کاسہ دریوزہ می بینم
گدا چوں بادشہ گردد گدا سازد جہانے را

جب شاہ عالم مکمل طور پر برباد ہوچکا اور بینائی سے ہاتھ دھوچکا اس وقت اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ خود اپنی مشہور نظم "شہر آشوب" میں لکھتا ہے :-

بود جانکاہ زر و مال جہاں ہمچو مرض
دفع از فضل الٰہی شدہ بیماریٔ ما

بادشاہ کی آنکھیں نکالنے کو بہت اہمیت اور اشاعت دی جاتی ہے لیکن اس سلسلہ میں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ اس زمانے میں جب محلات میں عام طور پر المناک واقعے ہوتے ہی رہتے تھے۔ اور قتل کی وارداتیں روزمرہ کا وطیرہ تھیں کسی تخت کے دعویدار یا سیاسی مخالف کی آنکھیں نکال دینا معمولی بات سمجھی جاتی تھی۔ ہمایوں جس نے اپنے بھائی کامراں کی آنکھیں نکلوادی تھیں۔ اس کے زمانے سے لیکر شاہ عالم کے باپ عالمگیر ثانی کے عہد تک درجنوں مغل شہزادوں کی آنکھیں کسی خاص ہنگامے اور قصور کے بغیر نکلوائی جاتی رہیں۔ خود عالمگیر ثانی کی تخت نشینی سے پہلے احمد شاہ کی آنکھیں نکلوائی گئی تھیں۔ اور اُسے اسی حالت میں قید میں پھینک دیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غلام قادر نے شاہ عالم کو یہ الفاظ کہے :-

"تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا کو پہونچے۔ میں نے
اپنے طور پر قوت برداشت کا پورا ثبوت دیا
اور اسی بات پر قناعت کی کہ انصاف قائم رہے۔
اور تمھاری جاں بخشی کی ۔ ورنہ تم اس قابل
اور اس بات کے سزاوار ہو کہ تمہارا ایک ایک
بند تمھارے جسم سے الگ کر کے اُسے ٹکڑے
ٹکڑے کر کے گدھوں کو کھلادیا جائے "

خود شاہ عالم اپنی افتاد کو اس بری طرح محسوس نہ کرتا تھا جیسا کہ آج ہم کو محسوس ہو رہا ہے۔ یہ بات اس کے اس خط کر معلوم ہوتی ہے جو اس نے غلام قادر کو لکھا۔ اس وقت غلام قادر اپنے ہم وطن اسمٰعیل بیگ کی ناآزمودہ کاری اور مرہٹوں کی سخت محاصرے کی وجہ سے دہلی چھوڑ چکا تھا۔ خط اس طرح شروع ہوتا ہے
"فدوی خاص ۔ لائق الاختصاص ۔ قابل العنایات و الاحسان وکیل مطلق یحنبش الممالک ۔ نصیر الملک ۔ امیر الامرا ۔ نجیب الدولہ ۔ مدار المہام ۔ موئد السلطنت ۔ آستین خلافت ۔ سپاہ سالار ۔ رستم ہند منصور الزماں ۔ روشن الدولہ ۔ فرزند خاص الخاص ۔ غلام قادر خاں بہادر ثابت جنگ . . . . فدوی محمد شاہ عالم بادشاہ ۔ ہمیشہ شاہی اعزاز و اختصاص کے مورد رہیں ۔ اور ظاہر ہو کہ ان کی طرف سے حکومت کے خلاف جو کچھ ہوا وہ سب گردش زمانہ سے ہوا ۔ اور سب وقت کی گردشیں تھیں ۔ اس لئے اس میں تمہاری کچھ خطا نہ تھی۔ اس لئے ہم سے جو سلوک ہوا وہ ہماری کوتاہیوں کا نتیجہ تھا ۔۔"

کردہ بودیم گنہ ہے کہ سزا ئیش دیدیم
ہست مصروف کہ بخشند گنہ گاریٔ ما

لیکن تائید ایزدی انہیں کے شامل حال ہوتی ہے جو اپنی مدد خود کرتے ہیں ۔ سلطنت مغلیہ کا محافظ غلام قادر اپنے حلیف اسمٰعیل بیگ ہمدانی کی کمزوری اور دہلی کی لوٹ کے آہستہ آہستہ ختم ہوجانے پر المناک سانحہ کا شکار ہوا۔ اس نے دہلی سے آنے کے بعد چھ ماہ سے کچھ اوپر عظیم الشان مہمات سر کیں۔ ایک دفعہ سوئے اتفاق سے وہ اپنی فوج سے الگ ہوگیا۔ مرہٹوں کی فوج نے تحصیل شاملی کے ایک گاؤں جتی یا جتنی میں غلام قادر خاں کو اکیلے میں گرفتار کرلیا اور مہاداجی سندھیا کے پاس متھرا میں لے گئے۔ جہاں وہ ۲ ۔ مارچ سنہ ۱۷۸۹ء یا بقول بعض ۴ ۔ مارچ کو بڑی اذیتوں کے بعد شہید کردیا گیا ۔ غلام قادر کو جن ایذاؤں کے بعد شہید کیا گیا ان کا عشر عشیر بھی شاہ عالم اور ان کے کنبے کے سلسلہ میں روا نہ رکھی گئی تھیں۔ اس کی دونوں آنکھیں نکلوا کر دہلی بھیجی گئیں ۔ جسم کے کچلے کٹے حصے متھرا میں کتوں کے آگے ڈالے گئے۔ اور اس کا سر علی گڈھ میں مرساں دروازے کے قریب دفن کیا گیا۔

غلام قادر خاں روہیلے کے صفحہ ہستی سے مٹنے کی دیر تھی کہ مہاداجی کا جھنڈا دہلی پر پھر لہرانے لگا۔ اور متواتر تیرہ سال تک اسی طرح بلند رہا اور آخر سینٹ جارج کے جھنڈے نے اسکی جگہ لی۔ اس طرح شاہ عالم کی یہ مراد جو اس کے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں تھی بر آئی ہے۔

مادھوجی سندھیا کہ فرزند جگر بند من است
ہست مصروف تلافی ستم گاریٔ ما
آصف الدولہ و انگریز کہ دستور من اند
حہ عجب گر بنمایند مددگاریٔ ما

افغان یا پٹھان

بعض اوقات جُز کا اطلاق کُل پر ہو جاتا ہے۔ یہ کلیہ نہ صرف ممالک کے سلسلے میں پورا اُترتا ہے بلکہ اکثر اقوام پر بھی حاوی ہے۔

پارس حقیقت میں ایران کا ایک صوبہ تھا جس کی وجہ سے تمام ملک کو فارس یا پارس کہنے لگے۔ ہندوستان مملکتِ ہند کا وہ سرسبز علاقہ ہے جو گنگا جمنا کے چند دلفریب میدانوں پر مشتمل ہے۔ اسی خطہ کی وجہ سے آہستہ آہستہ باقی تمام صوبوں کے مجموعہ کا نام ہندوستان ہوا۔

اسی اصول کے ماتحت افغانستان کی اکثر قومیں افغان کہلائیں حالانکہ حقیقت میں بنو افغان ہی کو افغان کہنا چاہیئے۔

لفظ افغان کے بارے میں اکثر محققین نے مختلف قیاس دوڑائے ہیں۔ بعضوں نے اس روایت کو اپنی تحقیقات کی اساس ٹھیرایا ہے جو ایرانیوں میں عام طور پر مشہور ہے اور وہ یہ ہے کہ جب بخت نصر نے افغانوں کو قید کیا تو ان لوگوں نے بڑا شور و غل برپا کیا۔ چنانچہ ان کے چیخنے چلانے اور شور کرنے کی وجہ سے انھیں افغان کہنے لگے۔

یہ ایرانیوں کی روایت حقیقت سے بہت دور اور زیادہ تر عصبیت پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔ اول تو اس لئے کہ افغان کی غیور قوم نے اپنی تاریخ حیات میں کبھی اس قسم کی رکیک حرکت نہیں کی۔ اور دوسرے یہ کہ کوئی قوم کسی ایسی قوم کا دیا ہوا نام اپنا ناپسند نہیں کرسکتی جو اس کی نگاہ میں خاص طور پر وقیع نہ ہو۔

ایرانیوں اور افغانیوں کی پُرانی سیاست کی وجہ سے ان اقوام کے درمیان اکثر میدان کارزار گرم رہتا تھا۔ اور دونوں قومیں ایک دوسرے کو زیر کرنے کے مواقع کی جستجو میں لگی رہتی تھیں ایسی صورت میں افغانیوں کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایرانیوں کا قول ہرگز قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ اسے قبولیت کا درجہ دیا جائے۔

افغانیوں کا دعوےٰ یہ ہے کہ ان کے جدِ اعلیٰ شاؤلی کے پوتے کا نام افغان تھا۔ یہ دعویٰ اس صورت میں اور بھی قابل قبول ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اہل فارس ان کو افغان کی جگہ اوغان کہتے ہیں۔ لفظ افغان گریہ وزاری کے معنی میں فارسی ہے۔ پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ فارس کے لوگ اپنے ہاں کے لفظ کو خود بدل دیں جبکہ دوسرے ملک میں وہ لفظ بعینہٖ اصل صورت میں لیا گیا ہو۔ اگر اہل فارس نے ایک قوم کو نالہ و فریاد کی وجہ سے افغان کا نام دیا، اور وہ لفظ فارسی میں آج تک افغان اور فغان دونوں صورتوں میں مستعمل ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ افغان کو اوغان یعنی بامعنی کو بےمعنی بنا دیں۔ حالانکہ زبان کا رجحان یہ ہوتا ہے کہ ہم ہر ایک بےمعنی لفظ میں ایسی تبدیلی کر لیتے ہیں کہ جس کی وجہ سے وہ صوتی اعتبار سے کسی بامعنی لفظ کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔

مثلاً اُردو ہی میں ایک دو مثالیں لیجئے۔ کسی ریاست کا واقعہ ہے کہ اس کی مالی حالت بہت کمزور تھی۔ اس لئے سال کے اخیر میں ملازموں کی تخفیف وغیرہ کے اُلٹ پھیر کے سلسلے میں اخراجات کی میزان پوری کردی جاتی۔ اور مالی سال کے شروع ہونے کے کئی کئی مہینے بعد بجٹ نکالا جاتا۔ اس میں ریاست کو کچھ بچت ہو جاتی اس بچت سے تخفیف شدہ ملازموں کو پھر کچھ موقع ملنے کا امکان ہو جاتا۔ ان کے لواحقین اور عام لوگ بجٹ کو اکثر بچت کہتے۔ کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ ملازمتوں کا ملنا بچت پر موقوف ہے اور اس سلسلے میں بجٹ کا نام اکثر آتا ہے۔ تو وہاں کے اَن پڑھ عوام بجٹ کے نئے لفظ کو بچت کا مانوس نام دیتے۔ میں نے اکثر ہندو دوستوں کو دیکھا ہے جو سنسکرت کے فاضل ہیں اور عربی سے ناآشنا، وہ "انتقال"، کو جو خالص عربی لفظ ہے "انت کال" کا بگاڑا ہوا لفظ جانتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ انتقال کے مصدر اصل اور اسکے مشتقات سے نابلد ہیں لیکن موقع اور معانی کے لحاظ سے انکی زبان میں ایک لفظ ایسا ہے جو صوتی اعتبار سے انتقال کے زیادہ قریب ہے۔ اس لئے وہ انتقال اور انت کال کو ایک دوسرے سے متعلق سمجھنے میں حق بجانب ہیں۔ یہ عام لسانی اصول ہے جسے اشتقاق عوام یا Folk Etymology کہتے ہیں۔

اس اصول کے لحاظ سے بھی اگر افغانی لوگ زفغان کے فارسی لفظ کو ادغان بنا دیتے تو حق بجانب تھے۔ چہ جائیکہ خود فارسی والے اپنے لفظ کو بلا وجہ بگاڑدیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ "افغان" زار نالی کے معنوں میں آنیوالے فارسی لفظ فغان یا افغان سے متعلق نہیں بلکہ یہ افاغنہ کے مورثِ اعلیٰ کا نام ہے۔

یہی وہ نام ہے جو بنو افغان کے چند قبیلوں کے علاوہ دوسرے افغانی قبائل کیلئے بھی مستعمل ہونے لگا حالانکہ وہ بنو افغان نہیں چونکہ ملک میں بنو افغان کا اقتدار روز افزوں زیادہ رہا اس لئے ملک کا ملک افغانستان کہلایا۔ اور تمام لوگ افغان یا افغانی مشہور ہوئے یہ بات افغانیوں کے اُن شجروں سے بھی ظاہر ہے جو اُن کے پاس خاص رکھ رکھاؤ سے محفوظ ہیں۔ اور آج ان کو جن چیزوں پر ناز ہو ان میں سے ایک چیز یہ شجرے بھی ہیں۔ خواہ دوسری اقوام کا نظریہ ان کے بارے میں کچھ بھی کیوں نہ ہو۔

لفظ پٹھان کے بارے میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ افغانستان کے بعض قبائل جو قندھار اور غزنی کے نواح میں سکونت پذیر ہیں وہ اپنے آپ کو پشتو اور پشتن کہتے ہیں۔ خوست، کرم اور باجوڑ کے افغانی اپنے آپ کو پختو اور پختن کہتے ہیں جو مختلف اضلاع کی لسانی تبدیلیوں کے باوجود ایک اصل کا پتہ دیتے ہیں۔ بعض محققوں کا خیال ہے کہ نیشاپور کے ایک گاؤں کا نام پاشتان ہے پشتان اور پختان اس سے متعلق ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ خراسان کے شہر بست کا نام لیکر اسے جمع کا صیغہ بنا دیا۔ لیکن اب سب قیاس آرائیوں کے باوجود کوئی محقق یہ ثابت نہیں کرسکا کہ ان شہروں اور قریوں سے افغانیوں کی نسبت کیا ہے۔

یوں تو فلسطین میں بھی ایک گاؤں ہے جس کا نام بشت ہے پشتو اور پختو کو اس سے نسبت ہو تو جائے تعجب بھی نہیں۔ دراصل لیکہ قبائل بنو افغان کا دعویٰ ہے کہ وہ اسباطِ بنی اسرائیل میں سے ہیں لیکن علمی اور تحقیقی طور پر اس بات کا کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ افغانیوں کا نام پٹھان کسی قریہ یا شہر کی نسبت سے ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ افغانستان ان لاتعداد اقوام کیلئے راہِ منزل کے طور پر رہا ہے جو ہندوستان پر حملہ آور ہوئیں۔ اسمیں مختلف قبائل اور مختلف انصاب سکونت پذیر ہیں۔ اور محققین نے جتنی وجوہ ان کی قبائلی اور نسلی تحقیقات کے سلسلے میں لکھی ہیں وہ کسی نہ کسی قبیلے کی روایات اور حالات سے متاثر ہو کر تحریر کی ہیں۔ اس لئے ان تمام دعاوی کی پشت پر کسی نہ کسی قبیلے کی تاریخی حقیقت موجود ہے۔ افغانستان میں قدیم آریہ نسلیں تاتاری، یونانی، شامی، اسرائیلی اور عربی سب اپنے اپنے زمانہ ہائے یلغار میں آتی رہیں۔ اور یہاں اقامت پذیر ہوئیں۔ لیکن سب کی سب ایک ہی اصل یعنی پشتان میں جمع ہوجاتی ہیں۔

اس لفظ کا سُراغ افغانستان کے شمالی یا مغربی ممالک میں کہیں نہیں چلتا۔ قدیم زمانہ میں جب یہاں ہندوستان کے کنشکا راج کی حکومت تھی پٹھان کا لفظ بہ تبدیل ہئیت اس وقت بھی پایا جاتا تھا۔ بلکہ اس سے بھی پہلے جنگ مہابھارت میں یہاں کے مقامات قندھار (گندھارا) کا نام اکثر ملتا ہے۔

بات یہ ہے کہ جب سدا رہائی قومیں اپنے قدیم ملک سے نکل کر یورپ ایران اور ہندوستان کی طرف گئی ہیں اس وقت وہ لوگ افغانستان میں سے ہوکر ہفت دریا (سپتا سندھو) کی سرزمین میں پہونچے اور انھوں نے اس سنگلاخ زمین کو جو بعد میں افاغنہ کے نام سے موسوم ہونے کیلئے مقدر ہوچکی تھی پکھشان کا نام دیا۔ چنانچہ اُن کے وید وں میں جہاں دکھن (دکھشن) کے کول دراوڑ سور ماؤں کو راکشس کہہ کر پکارا گیا۔ ہے۔ اور پورب کے ناگا لوگوں کو من بھاتے کھاجے نارنگی (ناگا رنگ) کا ذکر کیا ہے افغانستان کو پکھشان یا پاکھشان کہا گیا ہے۔ جو اس کی سنگلاخ زمین کی رعایت سے مناسب نام تھا۔ یہی لفظ تھا جو مرورِ زمانہ اور پشتو کی جبلی رعایت کے سانچے میں ڈھل کر پٹھان ہوا۔

پٹھان یعنی سنگلاخ زمین پر رہنے والی نسل ملتِ افاغنہ اور اس کی تمام حلیف قوموں کا ملکی نام ہوا۔ اور یوسف زئی مہمند خلجی۔ کاکڑ۔ وزیری۔ بنگش۔ آفریدی۔ شیروانی۔ سدوزئی۔ خوشی۔ کرمی۔ اور باجوڑی سب پشتو یا پشتان یا پٹھان کہلائے۔

افغانوں کی اصل جیسا کہ ہم بتا آئے ہیں یہ نہیں کہ یہ سب ایک ہی مورثِ اعلیٰ کی اولاد ہیں۔ بعض افغانی اصل میں قوم خزر سے ہیں جو بحیرۂ خزر کے کنارے پر سروانات وغیرہ میں آباد تھے یہ لوگ ایرانی حدود کیلئے مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے۔ انکو ایران کے کسی بادشاہ نے وہاں سے مشرقی خراسان کی طرف نکال دیا۔ ان میں سے بعض قبائل ضحاک تازی کی اولاد ہیں۔ ضحاک کی تاریخی حیثیت کو فردوسی کی شہرۂ آفاق کتاب کی ملک دشمنی نے کافی

نقصان پہونچایا۔ ضحاک تازی عربی النسل امیر تھے۔ ہم انشاء اللہ انکی صحیح تاریخی تصویر عنقریب صفحات افغان میں شائع کرینگے۔ نسلی تعصب نے یہ مانتے ہوئے کہ وہ ظالم و جابر تھے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ آپنے بادشاہ ایران کو اس کی غفلت اور عیش پرستی کی سزا میں دو ٹکڑے کر دیا۔

بعض افغانی قبائل اہل اسیر یا یعنی کلدانی نسل سے ہیں۔ کیونکہ بعض مورخین کا دعویٰ ہے کہ افغانی زبان میں کچھ کلدانی الفاظ ملتے ہیں۔ بعض قبائل جو افغانیوں ہی میں شمار کئے جاتے ہیں وہ مگر قبطیوں کی نسل سے ہیں۔ جو سوز سیرس بادشاہ کے ساتھ ہند پر حملہ کرنے کی غرض سے آئے تھے۔ بعض قبائل اسباط بنی اسرائیل سے ہیں۔ بخت نصر نے ان کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا۔ باقیماندہ کوہستان غور میں آباد ہوگئے۔ افغانیوں کے یہ قبائل تمام کے تمام اشرف خیال کئے جاتے ہیں جو اسباط بنی اسرائیل سے ہیں۔ ان کے پاس اپنے شجرے موجود ہیں۔ ہندوستان کے پٹھان بھی شجروں کے معاملہ میں بڑی سختی سے پابند ہیں۔ اور انھیں اس پر بڑا فخر ہے۔

افغانیوں کی بعض عادات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جب انھوں نے اپنے ملک کو چھوڑ کر اپنے موجودہ وطن کو مسکن بنایا تو وہ نصرانی مذہب تھے۔ یہ لوگ اپنی روٹیوں پر صلیب کے مشابہ ایک نشان بناتے ہیں جو صلیب سے مشابہ ہوتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اسباط بنی اسرائیل نے یہ مذہب راستہ میں اختیار کیا ہو۔ یا یہاں کسی عیسائی مبلغ نے بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو راستی کا پیغام سنایا ہو۔

بعض مؤرخوں نے بتایا ہے کہ امیر تیمور گورگانی کی اولاد سے ہیں لیکن اس کے خلاف یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ افغانی افغانستان میں تیمور کے حملے سے صدیوں پہلے آباد تھے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ افغانی اصل میں ارمنوں کی اولاد ہیں جہاں کنیسوں کو قندسار کہتے ہیں۔ اور موجودہ شہر قندھار اسی قندسار کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ ان کا بیان اس لئے قابل قبول نہیں کہ جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں قندھار نہایت قدیم شہر ہے۔ اس وقت سے پہلے افغانیوں کے افغانستان میں آنے کا سان گمان بھی نہیں ہوتا۔

پچھلے زمانے کے مؤرخین کا خیال ہے کہ افغانی ایرانی الاصل ہیں۔ اور اس کی وجہ زیادہ تر یہ بیان کی جاتی ہے کہ افغانی زبان زند استاد کی زبان سے ملتی ہے۔ لیکن جدید تحقیقات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ زبان کی تفریق یا اتحاد دو قوموں کے مختلف یا ایک اصل سے ہونے کا ثبوت نہیں۔

اسپین میں عربوں کی حکومت کے دوران میں تمام ملک کی زبان عربی ہو چکی تھی۔ اگرچہ اُن کے استیصال کے بعد انتہائی متعصبانہ رو کے زور سے عربی کا ایک ایک لفظ ہٹا کر اپنی قدیم زبان کے الفاظ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر استعمال کئے لیکن آج بھی عربی کے اکثر جواہرات اسپین اور پرتگال کی زبان میں ہیرے کی طرح دمکتے نظر آتے ہیں۔

ہندوستان میں آریا النسل کی برتری کے باوجود اُن کی حکومت کے دوران ہی میں دراوڑی زبانوں نے وہ اثر دکھایا کہ سنسکرت حکومت کی جوانی میں بوڑھی ہوکر رہ گئی۔ پھر اسی ہندوستان کے پٹھان خاندانوں میں سے بعض بعض میں غالبًا ایک لفظ بھی پشتو کا مستعمل نہیں۔ اسی طرح سے امریکہ میں قدیم سرخ ہندیوں کی زبان مُردہ ہوگئی۔ جو الفاظ وہاں کے رہ گئے تو انگریزی نے مسخ کرکے اپنا بنالیا۔

زبان کی بحث کے بعد ہم پھر نفسِ مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسباطِ بنی اسرائیل کے قبائل کی صحت نسل کے سلسلے میں اُن کے اپنے شجروں کے علاوہ یہ بھی ایک ثبوت ہے کہ ان کی خط و کتابت عرب کے یہود سے اس وقت تک جاری تھی جب آنحضرت سرورِ کائنات صلعم کا ظہور ہوا ہے۔ عرب کے نومسلم یہود نے اپنے ایک آدمی کو جس کا نام خالد تھا افغانستان بھیجا۔ افغانیوں نے اپنے چند نمایندوں کو جن میں قیس نامی سردار کی سرکردگی میں بھیجا۔ اس سردار کا سلسلۂ نسب ۳۷ پشتوں کے بعد اسباط بنی اسرائیل اور ۵۵ پشتوں کے بعد حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ السلام سے جا ملتا تھا۔ آنحضرتؐ نے سب پر نظرِ عنایت فرمائی۔ اور اس کا نام عبد الرشید رکھا۔ اور فرمایا کہ یہ ملوکِ بنی اسرائیل کی نسل سے ہے۔ یہ اسی لقب کا مستحق ہے۔

جب یہ منتخب سردار واپس آئے تو ان کے فیصلے کے مطابق تمام افغانستان مسلمان ہوگیا۔ افغانستان دُنیا میں وہ پہلا ملک ہے جس نے اپنی صلاحیت باطنی سے بے رد و کد اسلام قبول کیا۔

ان شریف اور نجیب قبائل نے عُسر اور یسر میں اسلام کی خدمت کی۔ ہم انھیں افغان کہیں یا پٹھان۔ ابدالی کہیں یا سوری۔ لودھی کہیں یا شیروانی خلجی کہیں یا خٹک وہ سب ایک ہیں۔ ان کے اجداد نے خدمت اسلام میں ایک ہوکر دکھایا۔ وہ متفقہ طور پر اسلام لائے ہم جو ان کے اجداد کے علم و اوصاف کے وارث ہیں ہمارے لئے ضروری ہے کہ میراثِ اجداد کے حصول کی پہلے علم اجداد کے حصول پر زور دیں اور انکی طرح اتفاق یکجہتی بے لوث خدمت اسلام کے مکارم میں اپنا حصہ نمایاں بنائیں۔

دفتر پارینہ

اپنایت

ابھی انیسویں صدی عیسوی نے آدھے دن بھی پورے نہ کئے تھے کہ ہندوستان کی پُرانی تہذیب خود ہندوستان والوں کے دلوں میں یوں بیگانہ بیگانہ رہنے لگی گویا ان کو اس سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ کیوں نہ ہو ہر نئی چیز نئی دلچسپیاں لاتی ہے۔ نئی تہذیب اور پھر پھلنے پھولنے والی قوم کی تہذیب آنکھوں میں ایسی بسی کہ پُرانی باتوں کے لہلہاتے باغ مرجھا گئے۔ اور آہستہ آہستہ اجڑ گئے۔

نئی نئی رسمیں نئی نئی امنگوں کے ساتھ رواج پانے لگیں۔ نئی روشنی کے جادوگر نے طبیعتوں کی جدت پسندی کیلئے آبادھاپی کی دلفریب بھول بھلیاں تیار کی جس میں دل سو گئے اور دماغ بیدار ہو گئے۔ عقل کے پردوں پر حقوق کے رنگ میں فرائض کی زمین جلوہ گر ہوئی۔ اور اس پر حصہ رسدی کے بیل بوٹے ذاتی اقتدار کے پھل لانے لگے۔

وہ بے وضع ہرے بھرے جنگل جن کے کچے تالابوں پر شیر اور بکری آپس میں لڑبھڑ کر بھی دلوں کی لاگ سے خالی نہ تھے اب باسلیقہ چٹیل میدان بن گئے جہاں پختہ سوتوں پر ایک گھاٹ پر پانی پینے والے اپنے دلوں میں آگ بھر کر لے جانے لگے۔

نیا زمانہ قلقاریوں کے رنگ میں چیخیں مارتا ہوا پیدا ہو رہا تھا۔ اور پرانے وقت مسکراتی ہوئی سسکیوں سے رخصت ہو رہے تھے وہ کہتا تھا کہ میں ذات پات کی قید اُڑا دوں گا اور سب کو ایک دسترخوان پر دعوت دوں گا۔ یہ کہتے تھے کہ ظاہرداری کی زندگی سے موت کا پردہ اچھا ہے۔ وہ کہتا تھا دوست کے ساتھ دشمنی کے اصول برتے جا سکتے ہیں۔ یہ کہتے تھے دشمن کے ساتھ دوستی نباہی جا سکتی ہے۔ اُسے یقین تھا کہ دل اپنا ہے زبان دوسرے کی ہے یہ حیران تھے کہ دلوں میں وہ بات کیونکر رکھی جا سکتی ہے جو زبان پر نہ آسکے۔ مگر نوزائیدہ بچہ پختہ کار بوڑھوں کی ہنسی اُڑا کر بولا۔ نہیں میں وہ نایاب جوہر پیدا کر دوں گا جو ایک بات سوچے گا دوسری کہے گا تیسری کریگا۔ اور اس کا مقصد کوئی چوتھی بات ہوگی۔ پُرانے وقت اپنے شاہکار دل کو آخری نوک پلک سے مکمل کر رہے تھے اور نیا زمانہ نئی زندگی کے مجسمے ڈھال رہا تھا

انھیں دنوں کرنل اختر لونی مہاراجہ رنجیت سنگھ کی مشرقی حدبندیوں کی دیکھ بھال میں ستلج کے مغربی کنارے کی ریاستوں کے بلاوے پر انتظامی گشت لگا رہے تھے۔

ریاست پٹیالہ کے صدر مقام پر دربار ہوا۔ پھولکیاں کے تمام رئیس مدعو تھے۔ سب کے سب اپنی اپنی وضع اور اپنی اپنی ٹھاٹھ باٹھ کی روح کھینچ کر لائے تھے۔ مالیرکوٹلہ، نابھہ، جیند اور فریدکوٹ کے رئیسی جلوس گویا پُرانا دور اپنی آخری محفل سجانے آیا تھا۔

رئیسوں کی فرودگاہیں تیار کرنے کیلئے پٹیالہ کے دریادل مہاراجہ نے روپیہ پانی کی طرح بہا دیا ہے۔ وسیع باغات میں دُور دُور تک خیموں قناتوں اور خرگاہوں کی دُنیا آباد کر دی ہے۔ ریاست کے اہلکار، پیشکار، منشی، متصدی کمربستہ ہو کر اپنے مہاراجہ کے مہمانوں کی خدمت میں مصروف ہیں۔

مالیرکوٹلہ کے کیمپ میں دو بڑے خیموں کا بلند بالا شامیانہ دو جلیل القدر میزبانوں کا پتہ دے رہا ہے۔ ان میں سے ایک میں نواب سکندر علی خاں والئ مالیرکوٹلہ دربار کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ اور دوسرے میں اُن کے بھائی رستم علی خاں جلو کے قوی ہیکل جوانوں کے ساز و سامان کو خود دیکھ رہے ہیں۔ کہ کہیں کوئی غیر آدمی نہ نکلے۔

نواب سکندر علی خاں اگرچہ مردانہ حسن کے مکمل مجسمہ ہیں۔ لیکن رستم علی خاں میں افغانی درشتی کا عنصر زیادہ ہے۔ نواب اگرچہ بلند بالا قوی الجثہ اور کسرتی جسم کے آدمی ہیں لیکن ان کا ولایتیوں کا سا رنگ بھولے بھولے نقش خوبصورتی اور شان و شکوہ کا پیارا سنگم ہے۔ جسم کا ایک ایک رواں پکار کر کہتا ہے کہ شفقت اور وقار حلم اور حمیت کو یوں سمویا جاتا ہے۔

رستم علی خاں دیکھنے میں دیو کے دیو ہیں۔ سانولا رنگ، درشت خد و خال، لامبا قد، چوڑے شانے، بھرا بھرا جسم۔ چٹان کا

سینہ۔ سینہ جتنا بڑا دل۔ اور دل اپنایت سے بھرپور۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں ہیبت برسا رہی ہیں۔ اس وقت کے نوجوان سامنے ہونے سے کترا کر طرح دے جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس شیر کی نگاہیں سیدھی دل میں اتر جاتی ہیں۔ بیبانی لے جاتی ہیں اور خوف چھوڑ جاتی ہیں۔ سلاح جنگ اپنی پسند سے بنواتے تھے۔ بنی بنائی چیز خریدنا عیب جانتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے اسلحہ خاص انھیں کے معلوم ہوتے تھے۔ تیاری کی تجویز میں اپنی طبیعت کی تمام سختیاں حل کر دیتے تھے۔ اور اس مناسبت کا خیال گھوڑے کی پسند اور اس کے ساز و سامان تک میں ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ جب وہ زرہ بکتر سے آراستہ ہو کر اپنے مشکی رہوار پر جسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور ہمیشہ اپنے خرگاہ کے ساتھ ایک خیمہ میں کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ سوار ہو کر نکلتے تھے تو ایک بار اپنے بھی اپنے آپ کو بیگانہ سمجھنے لگتے۔

پٹھانوں کی عام روایات کے مطابق ان دونوں بھائیوں میں بھی شکر رنجی کی تلخیاں پورے شباب پر تھیں۔ لیکن زمانے کی تاثیر یا صحبتوں کے اثر تھے کہ دوسروں کو گھر کا بھید بتا کر اپنی لنکا ڈھانے کو کبھی گوارا نہ کرتے۔ چنانچہ جب سنا کہ نواح کے سب رئیس پٹیالہ میں جمع ہو رہے ہیں تو نواب سکندر علی خاں نے کسی محفل میں خواہش ظاہر کی کہ رستم علی خاں بھی ہمرکاب ہوئیں تو اچھا ہے۔

اس زمانہ میں خدمت گاروں کا یہ دستور نہ تھا جو آج کا ہے۔ لڑانے تھے بھائی منگوانے کی فکر خدمت گاروں کو رہتی تھی۔ یہ لوگ اس وقت سونا چاندی جمع کرنے کی نسبت توشۂ آخرت کا فکر زیادہ کرتے تھے۔ چنانچہ گھروں میں وہ برکتیں تھیں جو آج نام نہاد رئیسوں کو حاصل نہیں۔ نواب سکندر علی خاں کی خواہش ملازموں سے ملازموں میں ہوتی ہوئی رستم علی خاں کو پہونچی۔ کوئی جواب دیئے بغیر تیاری شروع کر دی۔ نواب مرحوم کی روانگی کے وقت رستم علی خاں ہمرکاب تھے۔ اور نواب حیران کہ انھیں کس نے تیار کر دیا۔ خدمت گار اپنی کارگذاری کے اظہار کو ریاکاری جانتے تھے جس طرح دشمنی کا سبب مخفی تھا اسی طرح ہمراہی کی وجہ نامعلوم رہی۔

مقررہ وقت پر تمام رئیس شاہی جلوسوں کے ساتھ قلعہ پٹیالہ میں داخل ہوئے۔ کرنل اختر لونی شاہی نمائندہ تھے اس لئے ممتاز جگہ پر بٹھائے گئے۔ باقی رئیسوں کے مسند یکساں تھے۔

ان دنوں دربار پٹیالہ کی ریت یہ تھی کہ وہاں کی راجدہانی میں کوئی بڑے سے بڑا مہمان کیوں نہ آئے راجدہانی میں مہاراج کے سوا اور کسی کے لئے چنور یا مورچھل ہلایا نہ جاتا تھا۔ اور بات بھی یوں ہے کہ رئیس اپنی ریاست کے مقام پر بھی کچھ نہ ہو تو رعب داب کی اور صورت کیا ہے۔

دربار شروع ہوا۔ معزز میزبان اپنے اپنے معززین سمیت اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے خدمت گار خدمت کو لپکے۔ کرنل اختر لونی دربار کی غرض بتانے لگے۔ اور مہاراج پٹیالہ کو چنور جھلا جانے لگا۔

رستم علی خاں اچانک اٹھے اور خدمت گار شاہی سے چنور چھین کر نواب سکندر علی خاں کے پیچھے خدمت گاروں کی طرح جھلنے لگے۔ مقامی سیاست کے ابرو پر بل پڑے۔ آنکھیں خون سے سرخ ہوئیں۔ ننگے ہاتھ تلواروں کی پیاس بجھانے کو بڑھنا ہی چاہتے تھے کہ شیر مرد نے کڑک کر چنور بردار سے کہا: "یہ۔ یہ بھیا۔ اسکندر ذوالقرنین ہے۔ رئیس۔ رئیس ابن رئیس۔ وہ۔ وہ ایک جاٹ ہے جاٹ کل کا راجہ۔ اس پر چنور ہو اس پر چنور نہ ہو۔ میری زندگی میں یہ ناممکن ہے۔ دانائے فرنگ نے طبیعتوں کی سختی کو چکنی چپڑی باتوں سے نرم کیا۔ نیک نہاد مہاراجہ نے اپنے بپھرے ہوئے دلیر دل کو ٹھنڈا کیا۔ نواب نے بھائی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لیکن "اپنے بھائی" نے ایک چنور اور منگوا کر چھوڑا۔ چنانچہ ادھر مہاراجہ کا خدمت گار اپنے نمک کا حق ادا کر رہا تھا۔ اور ادھر نواب کا بھائی خون کے فرض سے سبکدوش ہو رہا تھا۔ کرنل نے ہر چند چاہا کہ افغانی رستم بیٹھ جائے۔ اور چنور کسی خدمت گار کو دیا جائے۔ مگر یہ قول کا پورا آدھے لمحے کے لئے نہ بیٹھا۔

دربار سے دونوں بھائی چپ چاپ فرودگاہ پر آئے۔ آجکل کا زمانہ ہوتا تو نہ روٹھتے دیر ہوتی نہ منتے دیر لگتی۔ گالیاں دیکر الگ ہوتے اور سسکیاں لیکر گلے ملتے۔ مگر وہ لوگ تھڑ دلے نہ تھے۔ دونوں اپنی جگہ ضبط کئے تھے۔ جس خاموشی سے پٹیالے گئے تھے اسی سکوت سے مالیر کوٹلہ لوٹ آئے۔

نواب نے دیوانخانے پہنچ کر بھائی سے ملنے کی ٹھان لی بھائی کو معلوم ہوا وہ بھی اپنے دیوانخانہ کے بڑے دروازہ میں جو آج تک اپنے بانی کی پاکیزگئ مذاق کا شاہد ہے آبیٹھے۔

فرشتہ سیرت نواب نے آتے ہی اپنے بھائی کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے جان کی بازی لگا عزت کا کھیل جیتا۔

رستم علی خاں یہ سمجھے تھے کہ نواب کچھ کہے سنے بغیر بغل گیر ہو جائے گا۔ یہی اس زمانہ کا شکریہ تھا۔ یہی صفائی تھی۔ یہی اپنایت کی روح تھی۔ بغل گیر ہونا ندامت بھی تھی۔ معافی بھی۔

ادب بھی تھا مہربانی بھی۔ سزا بھی تھی عطا بھی۔ سلام بھی تھا دعا بھی۔ لیکن اس کی ہمہ گیری میں ہر پہلو سے رافت اور رحمت کر جھلکے تھے۔

شکریہ کا لفظ سنتے ہی رستم علی خاں کے تیور بدلے۔ ان کی بلند آواز ان کے دیوانخانے کے بلند محرابوں سے ٹکرا کر گونج اٹھی۔ "بھائی صاحب میں نے جو کچھ کیا وہ ریاست کی عزت کیلئے کیا اس کیلئے شکریہ کی ضرورت نہیں۔ باقی میرے آپ کے بھی جھگڑے جوں کے توں رہیں گے"

نواب کبیدہ خاطر ضرور اُٹھے لیکن دلوں کی یہ گرہیں آجکل کی صفائیوں سے کہیں خوشگوار تر تھیں۔ کیونکہ اس کے بعد کسی صلح کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

---

(۴) خان فیض محمد خاں ای۔ اے۔ سی کیمبل پور سے جالندھر بدل کر آئے ہیں۔

---

(۵) خان فتح اللہ خانصاحب پی۔ ایس سی سب ڈویژنل آفیسر ہو کر راولپنڈی گئے ہیں۔

---

(۶) خان سرور خاں پی۔ سی۔ ایس مجسٹریٹ حصار سے فیروزپور تبدیل ہو کر گئے ہیں۔

---

(۷) آغا عبد الحمید آئی۔ سی۔ ایس ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل قائمقام کنٹرولر جنرل آل انڈیا ریڈیو مقرر ہوئے ہیں۔

---

(۸) خان محمد فاروق احمد خاں سکنڈ لفٹننٹ گوالیار آرمی میں مقرر ہوئے ہیں۔ آپ کپتان معشوق احمد خانصاحب مرحوم پنشنر کے خلف الرشید ہیں۔

---

(۹) خانبہادر ڈاکٹر عباد الرحمٰن خاں ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی ٹریننگ کالج الہ آباد کے پرنسپل مقرر ہوئے ہیں۔ اور ان کو سپرد خاص کر یو۔ پی کی تعلیمی تاسیس و تجدید کا کام ہوا ہے۔

(۱۰) سید حسن خانصاحب انسپکٹر کوآپریٹیو سوسائٹیز دہلی رجسٹرار ہو کر جہلم تعینات ہوئے ہیں۔

(۱۱) خان عبد الرحمٰن خانصاحب ایم۔ ایس سی ہارٹیکلچر ڈویژن سنٹرل پی ڈبلیو دہلی میں ایس۔ ڈی۔ او مقرر ہوئے ہیں۔

افغان گزٹ

(۱) خانبہادر محمد سعید خاں لکھنؤ جھانسی ڈویژنوں کے ایڈیشنل کمشنر مقرر ہوئے ہیں۔ ان کا ہیڈکوارٹر لکھنؤ ہوگا۔ صاحبزادہ خورشید احمد خاں کی جگہ آئے۔ ابھی حال ہی میں وہاں کمشنر ہو کر گئے ہیں۔

---

(۲) صاحبزادہ محمد احسان علی خاں صاحب سب جج شیوپوری سے بدل کر جج اور مجسٹریٹ چھاؤنی مرار لشکر گوالیار ہو کر آئے ہیں۔

---

(۳) خان بشیر حسین خانصاحب ایم۔ اے، ایل ایل۔ بی انکم ٹیکس آفیسر دہلی سے تبدیل ہو کر فیروزپور میں اسی عہدے پر متعین ہوئے ہیں۔ ادارہ افغان کو خانصاحب موصوف کی اس سرپرستی پر فخر ہے جو آپ ادارے کے حق میں فرماتے رہے ہیں۔ صاحب ممدوح نے ادارے سے درمے قدمے قلمے کسی صورت بھی دریغ نہیں فرمایا۔ اور یہ کہنا بجا ہوگا کہ ملتِ افاغنہ کی عدم توجہی کے باوجود افغان کی بقا صرف آپکی ذات گرامی صفات کی مرہون امنت ہے۔ آپ ہی نے اکثر رؤسا کو افغان کی امداد پہ آمادہ فرمایا اور اس کے افادی پہلوؤں کو روشن تر کر دکھایا۔ آپ نے ہر معقول جلسے۔ ہر مناسب افغانی وفد اور ہر مفید تقریب پر "افغان" کو شرفاء زعماء میں روشناس کرنے کی زحمت گوارا فرمائی۔

ادارہ دست بدعا ہے کہ خانصاحب ممدوح کا تبادلہ انکی بیش از بیش ترقیات کا موجب ہو۔ آپ افغان اور اس کے اوراق کو حسب سابق مستفید و مستفیض فرماتے رہیں اور ادارے کو فراموش نہ فرمائیں۔

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد
ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

(بقیہ کالم اول میں)

علم

رَأیتُ العِلمَ فِی الأشرافِ مَجداً ‏ وَفِی الأرذالِ مَقبُوحاً ذَلِیلاً

کَمَاءِ المُزنِ فِی الأصدافِ دُرٌّ ‏ وَفِی فَمِّ الأفاعِی سارَ سَمّاً

(حضرت علیؑ)

ترجمہ

"علم اچھوں میں ہے ایک اُن کی بڑائی کی دلیل
اور یہی بد باطنوں میں زار و مقبوح و ذلیل
ابر کا قطرہ صدف میں گوھرِ شہوار ہے
سانپ کے مُنہ میں ہلاہل ہے وہی آزار ہے"
علم جسکے ساتھ کچھ فیضِ نظر شامل نہیں
ایک ناقہ ہے جہاں لیلیٰ نہیں محمل نہیں

(جلال مرزا خانی الشیرازی)

نوجوان افاغنہ اور مسائل مابعد جنگ

کسی قوم کا حقیقی سرمایہ اسکے افراد اور اُن افراد کا وہ وقت ہوتا ہے جو وہ لوگ مفید اور استعماری کاموں میں صرف کرتے ہیں۔

جس قوم کے اکثر افراد بیکار ہوں اس کی تعدادی کثرت ایسی قوم کے مقابلہ میں ہیچ ہو جاتی ہے جس کی تعداد قلیل ہو لیکن اسکے اکثر افراد وقت کا صحیح مصرف جانتے ہوں۔

کون نہیں جانتا کہ اگر کسی قوم کا ایک ایک فرد مستقلاً ایک ایک لمحہ ضائع کرتا ہے تو اس قوم کے کتنے دن ضائع ہو سکتے ہیں اور اگر سب کے سب باتفاق اس بات کا تہیہ کر لیں کہ ہم اپنی قوم کا وقت بیکار نہ جانے دینگے اور اس سے حتی الوسع پورا پورا فائدہ اٹھائینگے تو اس سے کتنے شاندار نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

اگرچہ زندگی ہمیشہ سے مسلسل مقابلہ ہے اور اس کے میدان میں مختلف طاقتیں غیر مختتم طور پر زور آزما ہیں۔ اس پیکار و مقابلہ میں کمزور کیلئے کوئی جگہ نہیں۔ لیکن موجودہ جنگ کے بعد زمانہ ایسی زقند لگائیگا جس میں وہی قومیں زندہ رہ سکیں گی جنھوں نے زندگی کو سمجھا ہو اور زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا کرلی ہے۔

جنگ کے بعد ہر ایک قوم اقتصادی الجھنوں میں گرفتار ہوگی اس لئے ہمیں چاہئے کہ مابعد جنگ کی تجاویز سے باخبر رہیں۔ دوسرے زمانہ جنگ کے جدید انکشافات اور ایجادات کے طفیل دُنیا میں صنعتی اور فنی زندگی ایک نئی کروٹ لیگی۔ اسمیں وہی قومیں کامیاب ہونگی جو نئی صنعتوں اور تحقیقوں سے باخبر ہیں۔

نوجوان افاغنہ کو چاہیئے کہ ہر حلقہ ملک میں منظم ہو کر حکومت ہند کے زراعتی معاشیات کے بورڈ سے خط و کتابت کریں۔ اور انکی ہدایات کے مطابق صوبائی بورڈوں سے زرعی زمینوں کے حصول کیلئے تگ و دو کریں۔ اور اس سلسلے میں زرعی قرضے حاصل کر کے آئندہ کی بیروزگاری کا انسداد شروع کریں۔

حکومت ہند کی اسکیم ہے کہ ہندوستان میں برقی طاقت کو ترقی دی جائے۔ نوجوانوں کو چاہیے کہ حکومت کے یا دوسرے ایسے اداروں میں بجلی کا کام سیکھنے کی کوشش کریں۔ زمانہ مابعد جنگ میں جب زندگی کی سہولتیں زیادہ سے زیادہ اور روپیہ اپنی بچت کے مطابق ہوگا اس وقت بجلی کا کام جاننے والوں کی اتنی مانگ ہوگی کہ زیادہ سے زیادہ آدمی بھی کم سے کم سمجھے جائینگے۔ حکومت نے خود بجلی کے انجنیروں کی تعلیم و تربیت کے انتظامات کئے ہیں۔ بجلی کی تعلیم کے سلسلے میں اُن سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

زمانہ جنگ کے لاتعداد ہوائی جہاز اور ان کے کارخانے بعد میں بیکار نہیں ہونگے بلکہ روزمرہ کی سہولتوں کے کام آئیں گے۔ ڈاک، سواری، سیر و سفر سب کیلئے استعمال ہونگے۔ ان کے لئے بھی بڑے بڑے کارخانوں، دفتروں اور عملوں کی ضرورت ہوگی۔ اور اس وقت وہی لوگ کام دے سکیں گے جو ہوائی جہازوں کے سلسلہ میں آج کچھ تجربہ حاصل کریں گے۔

پھر سڑکوں، ریلوں کی تعمیر جدید اصولوں پر ہوگی۔ اور اس سلسلے میں وہی لوگ کارآمد ثابت ہونگے جو میکانیکل انجنیرنگ سے واقف ہونگے۔ اعلیٰ ملازمتوں کے سوا اس سلسلے میں مستریوں وغیرہ کی ضرورت بھی ہوگی۔ اور وہ زیادہ تر اس قوم کے لئے جائینگے جو آج اہل ثابت ہو کر دکھائیگی۔

(خان) جمشید علیخاں
(رئیس جھجر)

ایک شعر

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

(اقبالؒ)

خطوط

مکرمی۔ السلام علیکم!

ماہ دسمبر کے پرچہ میں لکھا تھا کہ عنقریب رسالہ کے اجرا کو مستحکم کرنے کی غرض سے ایک وفد چندہ کی فراہمی کیلئے نکلے گا۔ خیال تھا کہ اگر کوئی صاحب آگئے تو حسب مقدور کوشش کی جائیگی۔ چونکہ رسالہ کا مقصد نیک اور بکھرے ہوئے خون کے قطرات کو مجتمع کرنا ہے اس لئے رسالہ ایک سال کیلئے میرے نام وی۔ پی کر دیں۔ نیاز مند

حکیم عبدالاحد خان لودی رجمنٹل میڈیکل ہال ایبٹ آباد

محترمی خانصاحب۔ السلام علیکم۔

. . . . ہماری شیرازہ بندی حد سے زیادہ ضروری ہے۔ آخر ہماری قوم ذلت کی زندگی بسر کیوں کرے۔ وہ ہاتھ جو کبھی دینے کیلئے بڑھتے تھے آج لینے کیلئے دوسروں کے آگے بڑھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم مرکز سے دور ہو گئے ہیں۔ ہماری خامیاں اسی وقت دور ہو سکتی ہیں جب ہمدرد اور صاحب اقتدار لوگ میدان عمل میں آئیں اس کے لئے اجرائے اخبار بھی ایک مقدم چیز ہے۔ خدا کرے میرے ان الفاظ میں ایسی ترطیب موجود ہو جو آپکو اس مقصد کو پورا کرنے پر مجبور کر دے۔ آمین!

ممتاز احمد خاں لودی۔ بھٹنڈا۔

محترمی خانصاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مجھے افغان کی موجودہ پالیسی سے اتفاق ہے۔ لیکن بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس وقت شیخ سید مغل پٹھان کے جھگڑوں کا وقت نہیں۔ اس وقت اسلام پر ایسا نازک دور گذر رہا ہے کہ اگر ان باہمی امتیازات کو مٹا کر ہم ایک نہ ہوئے تو ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں اسلئے جہانتک بھی ہو سکے ان لوگوں کے خیال کی رعایت بھی ملحوظ خاطر رکھو۔

عبدالعزیز خاں لوحانی ۔ لاہور۔

پاسخ نگاری

مکرمی خان عبدالعزیز خانصاحب لوحانی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

الحمد للہ کہ آپکو افغان کی موجودہ پالیسی سے اتفاق ہے۔ ادارہ متمنی ہے کہ اپنے دائرۂ اعزا و احباب میں اسکی توسیع کی کوشش فرمائیں۔

آپ نے افغان کے پہلے پرچے ضرور ملاحظہ فرمائے ہوں گے۔ ہمارا پرچہ شیخ سید مغل پٹھان کے جھگڑوں سے بالکل پاک ہے۔ ادارہ کے خیال میں قبائل کی تفریق لتعارفوا کی حد تک ہے۔ اور یہی کلام ربانی کا منشا ہے۔ ہم تمام قبائل کو عالمگیر جیش اسلامی کے جانباز دستے سمجھتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ خدمتِ اسلامی کے جذبے کو اپنی منزل بنا کر یہ تمام عساکر ایک دوسرے سے بڑھ جانیکی کوشش کریں۔ ایک مشترک ترقی کے حصول کیلئے اگر ہم میں سے ہر قوم بلکہ ہر فردِ واحد کے دل میں گوئے سبقت لے جانیکا جذبہ پیدا ہو جائے تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے جس کام کا بیڑا اٹھایا کر اسمیں کامیاب ہو گئے۔ افغان اسلامی ممالک کی ہر ترقی میں دلچسپی لیتا ہے۔ اور ہر اسلام کش تحریک سے مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے۔

افغانوں میں تحریک بیداری پیدا کرنیکا یہ مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسری قوموں سے متنافر ہیں۔ ہر ایک قوم کو اسکے فعل متمائز کرتے ہیں۔ افاغنہ کے سلف نے خون کی بازیاں کھیل کر اسلام کے نام کو برقرار رکھا ہے۔ اس لئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے اسلاف کے کارہائے نمایاں کو نہ بھولیں۔ وہ اسلام کا عضوِ ضعیف نہ بنیں بلکہ ایسی مثال پیدا کریں جن سے دوسرے اسلامی قبائل میں روح پیدا ہو۔

یاد رکھئے اسلام نہ مٹا ہے نہ مٹے گا۔ اسلام کی فطرت ہے کہ وہ چنگیز کی اولاد سے اورنگ زیب پیدا کرتا ہے۔ لیکن مبارک ہیں وہ اقوام جو خالد بن ولید۔ بہلول لودی۔ شیر شاہ سوری، احمد شاہ ابدالی جیسے لوگ پیدا کریں۔ کیونکہ ان کا نام مجاہدین میں لکھا جائیگا۔ اور یہ مفت کا انعام ہے۔

افغان کا مشن یہ ہے کہ اسلامی دُنیا کا ایک ایک جز بجائے خود بیرونی امداد سے آزاد ہو۔ اور اپنی زندگی کے سامان خود کر سکتا ہو۔ ایسے کامیاب عساکر کی جداگانہ تربیت باعث رحمت ہوگی۔

مومن کا اختلاف باعثِ رحمت ہوتا ہے اور منافق کا اتفاق باعثِ زحمت۔ والسلام

(ادارہ)

اخبار و آراء:-

افغان مشن!

حکومت افغانستان کا محکمہ صحافت و اطلاعات کا افغان مشن حکومت ہند کی دعوت پر کابل سے دہلی پہونچا۔ وفد کا خیر مقدم حکومت ہند کے محکمہ اطلاعات نے کیا۔ ان کی مہمان نوازی اور قیام کا انتظام بہت عمدہ تھا۔ مشن نے حکومت ہند کے دفاتر کے علاوہ شہر دہلی کے مخصوص و مشہور اداروں اور درسگاہوں کو بھی دیکھا۔ دہلی میں مشن کا قیام پندرہ دن رہا۔ ان میں سے ایک دن آگرہ میں تاج محل دیکھنے میں صرف ہوا۔ ۱۷۔ مارچ کو جامعہ ملیہ میں شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب نے افغان وفد کا استقبال کیا۔ اور اپنے ہاں کے تمام تعلیمی و صنعتی شعبہ جات کو دکھایا۔ اور عصرانہ چائے پر جامعہ کے قابل اور مجسم ایثار اسٹاف کو اراکین وفد سے متعارف کرایا۔ اس موقع پر سردار محمد اسلم خانصاحب، بردہ خان خیل، مردان خان سعید حسین خانصاحب کنج پوروی اور خان بشیر حسین خانصاحب انکم ٹیکس آفیسر دہلی مدعو تھے۔

افغان وفد نے دہلی میں لال قلعہ، مقبرہ ہمایوں، لودی اور قطب مینار کی سیر کی۔ پوسا کالج میں زراعتی معلومات و ترقیات سے غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا۔ وفد کا قیام ہندوستان میں تین چار ہفتے رہا جس میں انھوں نے متعدد مقامات کا دورہ کیا۔ لاہور میں مسلم پریس ایسوسی ایشن کا وفد ملا۔ افغانی وفد نے ہندوستانی تمدن، تعلیم اور پریس کے اعلیٰ معیار کی تعریف کی۔

وفد کے لیڈر سعید قاسم خاں رشتیہ تھے جو مطبوعات کابل کے نائب صدر ہیں۔ ان کے علاوہ ایک عبد الحی صاحب صدر پشتو تولانہ دوسرے عبد الرحمٰن خاں صاحب ناظم صدر شعبہ اطلاعات افغانستان تھے۔ وفد نے ۲۹۔ مارچ کو پشاور میں قیام کیا اور کابل روانہ ہوا۔

قوم پرست مسلمانوں اور مسلم لیگی مسلمانوں کی رسہ کشی شروع ہوگئی۔ مسلمانوں میں لیگ کی ہر دلعزیزی ایک مسلمہ حقیقت بن چکی ہے اس وقت تمام مخالف قوتیں مسلمانوں اور لیگ کے اقتدار کو مٹا کر کانگریس کی سطح پر لانا چاہتی ہیں۔ سرحد میں تو یہ عام اعتراض کیا جاسکتا تھا کہ مسلم لیگ منسٹری نے وہاں خاطر خواہ انتظامات نہ کئے لیکن بنگال منسٹری کے حشر نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اس سانحہ نے ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ کو مخالف قوتیں کس قدر اہمیت دے رہی ہیں۔ اور یہ تحریک مسلمانوں کیلئے کس قدر مفید ہوسکتی ہے۔ کانگرس منسٹریوں کے برسر کار آنے سے مسٹر گاندھی کی وہ دور دیہ چال جو وہ اکثر مسلمانوں اور صرف مسلمانوں کے خلاف چلا کرتی ہیں ظاہر و باہر ہوگئیں۔ وہ گاندھی جو ۱۹۴۴ء میں کانگریس ہائی کمان کی نظربندی کا بہانہ بنا کر مسٹر جناح سے صرف انفرادی حیثیت سے اس لئے ملے کہ ان کا فیصلہ مہاسبھا یا کانگریس کیلئے قطعی نہ ثابت ہو۔ آج وہی گاندھی جی واردھا سے کانگریس ہائی کمان کے خلاف کانگریس منسٹریوں کی نہ صرف اجازت دے رہے ہیں بلکہ لیگ منسٹریوں کے توڑنے میں پورا پورا زور صرف کر رہے ہیں۔

لیکن ہمارا خیال ہے کہ پاکستان عام مسلمانوں کے دلوں میں اس درجہ جاگزیں ہو چکا ہے کہ اگر سرحد اور بنگال کے علاوہ سندھ اور آسام بھی لیگ منسٹریوں کے ہاتھ سے نکل گیا تو مسلمان کبھی بددل نہیں ہوگا۔ ممالک اور اقوام کی قسمت کا فیصلہ چند ہنگامی قانون اور چند فریب خوردہ ذہنیتیں نہیں کیا کرتیں۔ اس کا فیصلہ اقوام کے بچہ بچہ کے دلی جذبات پر ہوتا ہے۔

جس ملک میں مسلمان مسلمان کا اتنا دشمن ہو وہاں ہندو مہاسبھا کی باوردی سرنگوں کا پھیلنا کوئی تعجب خیز امر نہیں۔ چنانچہ غازی آباد میں قصبہ سونی کے قریب موضع راتب میں مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنایا جا رہا ہے۔ موضع گڈھی میں وزیر خاں، بادام خاں، لال خاں اور چھوٹے خاں کو مرتد کیا جا چکا ہے۔

زمانہ مابعد جنگ کی اقتصادی بدحالی کے پیش نظر ہندو مہاسبھا اپنا پروگرام مرتب کر چکی ہے۔ اور ایسے حال میں جبکہ لیگ کو اپنی تعمیری مصروفیتیں گھیر رہی تھیں قوم پرست مسلمانوں نے اس کامیاب ادارہ کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔ اور فتنہ ارتداد اس زخم سے آخری قطرہ نکال لینے کی فکر میں ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ۰

اصول معاملہ

(۱) "افغان" ہر انگریزی مہینے کی پندرہ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) پرچہ موصول نہونیکی صورت میں ۲۵ تاریخ تک اطلاع دیجیے، بصورت دیگر پرچہ بلا قیمت نہ مل سکے گا۔

(۳) چندہ سالانہ پانچ روپیئے ہے۔ چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجئے تاکہ جانبین کو کفایت رہتی ہے۔

(۴) ہر موصولہ رقم کی رسید بھیجی جاتی ہے۔

(۵) ترسیل زر کا پتہ ہے۔ لودھی اینڈ کمپنی بازار فتحپوری۔ چاندنی چوک دہلی۔

(۶) منی آرڈر کرتے وقت پتہ صاف لکھئے، نیز رقم کی تفصیل بھی درج فرمائیے۔

(۷) ترسیل مضامین کا پتہ دفتر افغان۔ ٹیامحل بازار دہلی۔

(۸) دیگر دفتری خط و کتابت کا پتہ۔ پختون خواہ بارہ ٹوٹی۔ صدر بازار دہلی۔

(۹) خط و کتابت کے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیے۔ اس کے بغیر تعمیل ارشاد میں بے انتہا دقت ہوتی ہے۔ (نمبر خریداری کسی نوٹ بک میں نوٹ فرما لیجیے۔

(۱۰) نمونے کے پرچے کیلئے پانچ آنہ کا ٹکٹ آنا ضروری ہیں۔

(۱۱) تازہ پرچہ کی قیمت آٹھ آنہ۔

ادارہ افغان دہلی